MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL
ماھنامہ
مرآۃ العارفین انٹرنیشنل
لاہور
جلد نمبر 19
شمارہ نمبر 11
مارچ 2019ء، جمادی الثانی / رجب المرجب 1440ھ
WWW.MIRRAT.COM

سرپرستِ اعلیٰ اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین
جانشینِ سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی مدظلہ الاقدس سروری قادری
کی زیرِ قیادت
ملک بھر میں سالانہ انعقاد پذیر ہونے والے
شاندار تربیّتی و اصلاحی اجتماعات

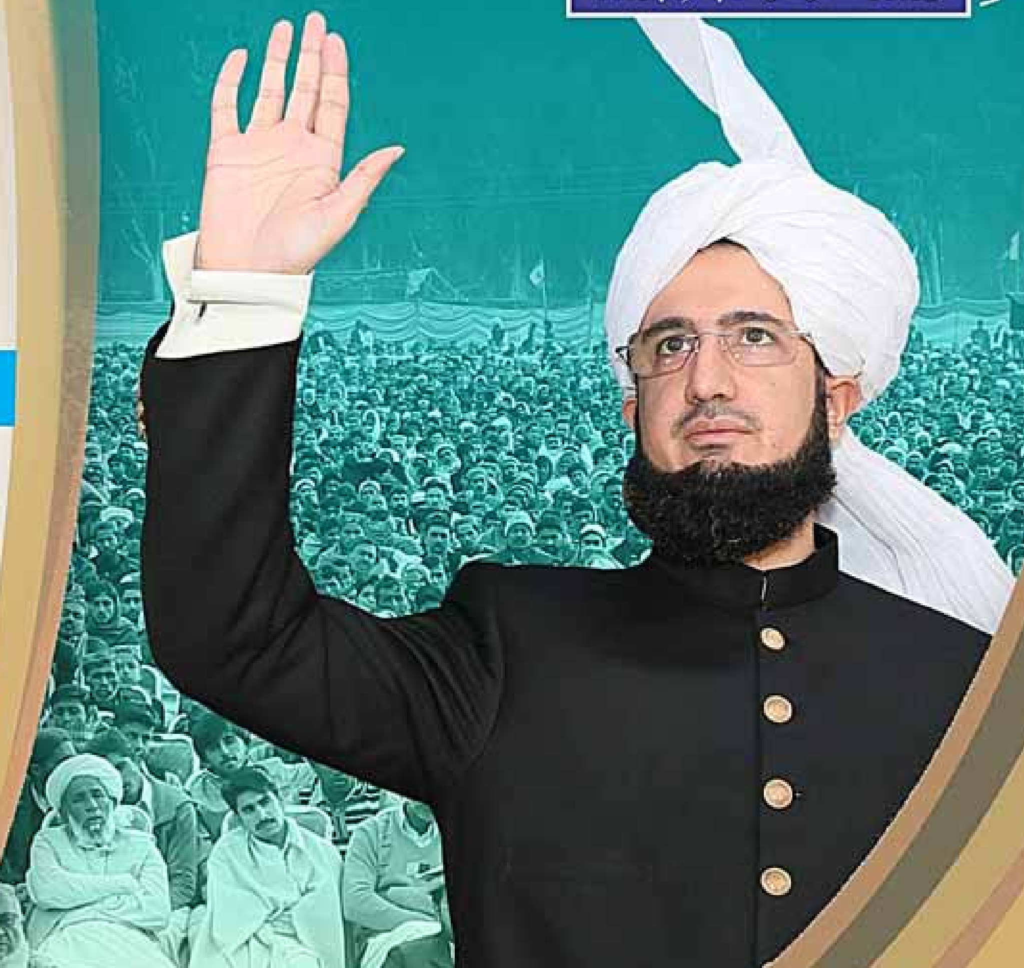

زیرِ انتظام
اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین
دربارِ عالیہ سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ
لاکھوں افراد کی شرکت و شمولیت

Sufism
in the 21st Century
A GLOBAL PERSPECTIVE

تصوف اکیسویں صدی میں
(ایک عالمی تناظر)

قراردادِ پاکستان اور عزمِ نو

خطبہ الٰہ آباد سے قراردادِ پاکستان تک

A Public Awareness Message

مسلسل اشاعت کا انیسواں سال
MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL
ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل لاہور
مارچ 2019ء، جمادی الثانی / رجب المرجب 1440ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فیضانِ نظر

سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب سروری قادری

چیف ایڈیٹر
صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹر
طارق اسمٰعیل ساگر

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیمبر، اتحادِ ملّتِ بیضا کے لئے کوشاں نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1	اقتباس		3
	اداریہ		
2	دستک		4
	قومی و بین الاقوامی		
3	خطبہ الٰہ آباد سے قرار دادِ پاکستان تک: (مختصر جائزہ)	حافظ شہباز عزیز	5
4	تصوف اکیسویں صدی میں (ایک عالمی تناظر)	مسلم انسٹیٹیوٹ	11
5	مصنوعی ذہانت کے انسانوں کے لئے خطرات اور فوائد	مسلم انسٹیٹیوٹ	14
	معاشرتی		
6	غصہ (تعلیماتِ اسلامیہ کی روشنی میں)	شہلا نور	17
	صلائے عام		
7	اسلامی معاشرت کا حُسن: تعلق رسول (ﷺ) میں پختگی	صاحبزادہ سلطان احمد علی	19
8	سالانہ ملک گیر دورہ "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" (رپورٹ)	ادارہ	34
	باھُو شناسی		
9	امیر الکونین	مترجم: سید امیر خان نیازی	48
10	Abyat e Bahoo	Translated by: M.A Khan	49

ایڈیٹوریل بورڈ
سجاد علی چوہدری
محمد افضل عباس خان
محمد سیف الرحمٰن

آرٹ ایڈیٹر
محمد احمد رضا
واصف علی

اندرون ملک نمائندے

اسلام آباد	مہتاب احمد
کراچی	ایس ایم حسین
فیصل آباد	ڈاکٹر غضنفر عباس
ملتان	شبیر حسین
لاہور	حافظ محمد ریحان
کوئٹہ	رسالت حسین
پشاور	سید حسین علی شاہ

بیرون ممالک نمائندے

ممالک	نمائندگان
اٹلی	چوہدری ناصر حسین
انگلینڈ	منظور احمد خان
ساؤتھ افریقہ	آصف ملک
سعودی عرب	مہر کریم بخش
سپین	محمد عقیل
فرانس	امجد علی
کینیڈا	ثقلین عباس
متحدہ عرب امارات	نصیر شاہ
ملائشیا	محمد شفقت
یونان	محمد شکیل

فی شمارہ نیوز پیپر 30 روپے، سالانہ (ممبرشپ) 360 روپے
فی شمارہ آرٹ پیپر 50 روپے، سالانہ (ممبرشپ) 600 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
200	100	80

اپنی بہترین اور موثر کاروباری تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-8676572

برائے خط و کتابت ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او، لاہور E-mail: miratularifeen@hotmail.com
WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM
پبلشر سجاد علی چوہدری نے قاسم نعیم آرٹ پریس، بیڈن روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر نمبر 9-بیکنڈ فلور اسلم آرکیڈ 16 میکلوڈ روڈ لکشمی چوک لاہور سے شائع کیا

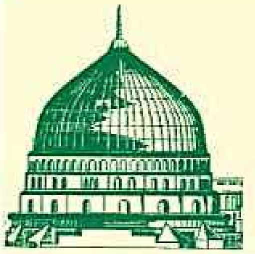

الله

"وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝

"اور لوگوں سے (غرور کے ساتھ) اپنا رخ نہ پھیر اور زمین پر اکڑ کر مت چل، بے شک اللہ ہر متکبر، اِترا کر چلنے والے کو ناپسند فرماتا ہے"۔ (لقمان:18)

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ) قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ" (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس)

"رسول اللہ (ﷺ) کا فرمان مبارک ہے کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: کبریائی میری چادر اور عظمت میری ازار ہے جو ان دونوں میں سے ایک چیز بھی مجھ سے چھینے گا میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا"۔

سرِّ سبحانی محبوبِ ربانی غوث الاعظم محی الدین سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ — فرمان

"اللہ والے تو طاعت گزار ہیں اور اس پر بھی ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں اور تم نافرمانیاں کرتے ہو اور تمہارے دل بے خوف ہیں- یہی تو صریح دھوکا ہے، بچو، بچو کہیں بے خبری کی حالت میں تمہاری گرفت نہ فرمالے، سیدنا رسول اللہ (ﷺ) سے روایت ہے آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: ہر فن کے متعلق انہیں سے مدد چاہو جو اس کے ماہر ہیں- یہ عبادت بھی ایک فن ہے اور اس کے اچھے ماہر وہ لوگ ہیں جن کے اعمال میں اخلاص ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو جاننے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں"-

(فتح الربانی)

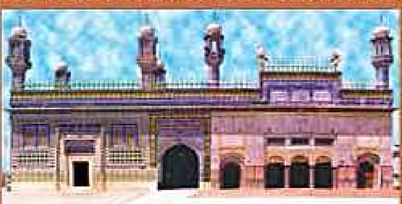

سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ — فرمان

بوہتی ہیں اَدگن ہاری لاج پئی گل اُسدے ھو
پڑھ پڑھ علم کریہن تکبر شیطان جیہے اوتھے مُسدے ھو
لکھاں نوں بَھو دوزخ والا اِک نت بہشتوں رُسدے ھو
عاشقاں دے گل چھری ہمیشاں باھُو اگے محبوباں دے کُسدے ھو

(ابیاتِ باھُو)

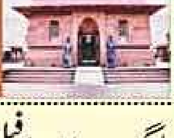

فرمان علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

بانگِ اسرافیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد
مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

(ارمغانِ حجاز)

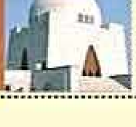

فرمان قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

ایمان، اتحاد، تنظیم

"تمام دشواریوں کے باوجود مجھے یقین ہے کہ مسلمان دوسروں کی نسبت "بہترین سیاسی دماغ" رکھتے ہیں سیاسی شعور مسلمانوں کے خون میں ملا ہوا ہے، ان کی رگوں اور شریانوں میں دوڑ رہا ہے اور اسلام کی باقی ماندہ عظمت ان کے دلوں میں دھڑک رہی ہے"۔

(عربک کالج، دہلی، 1939)

قرار دادِ پاکستان اور عزمِ نو

تاریخ انسانی میں یہ بات مسلّم ہے کہ کچھ ایام قوموں کی شناخت سے جُڑے ہوتے ہیں جو عام ایام کی نسبت منفرد و اعزازی اہمیت کا تقاضا کرتے ہیں- یہ ایام قوموں کی تعمیر و ترقی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں- مشرق تا مغرب اقوام اپنے یاد گار ایام کو منفرد انداز میں مناتی ہیں جو نہ صرف قومی یکجہتی کا ذریعہ ہوتے ہیں بلکہ اپنی مناسبت سے ایک نیا ولولہ پیدا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں- یومِ پاکستان اُسی طرح مملکتِ پاکستان کی تاریخ میں ایک نہایت اہم دن ہے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ دن مسلمانانِ ہند کیلئے سیاسی اجتہاد کی سی اہمیت بھی رکھتا ہے-

اُنیسویں اور بیسویں صدی مسلمانانِ برصغیر کیلئے نہایت مشکل و کٹھن صدی تھی- مغربی نیشنلزم کی یلغار بھی مسلمانانِ ہند کے لیے سُمِ قاتل ثابت ہوئی- مغربی نیشنلزم نے اسلامی قومیت کے تصور کو مسخ کرنے کی کوشش کی اور یہ غلط تصور دیا کہ قوم کی بنیاد رنگ، نسل، زبان اور جغرافیہ ہے- اُس وقت درپیش تمام نازک حالات میں امت کے نبض شناس علامہ محمد اقبالؒ نے اسلامی قومیت کا حقیقی تصور، دانشورانہ اور فلسفیانہ انداز میں پیش کیا اور اس تصور کو شاعری و نثری صورت میں نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ قوم کے سامنے پیش کیا- اس خدمت نے مسلمانانِ برِصغیر کیلئے آزادی کی صحیح سمت متعین کی- اقبالؒ کے اس تصور کو اپناتے ہوئے اسلامیانِ ہند نے انگریزوں کی غلامی سے نجات اور آزادی کے حصول کیلئے طویل جدوجہد کی- اس جدوجہد میں مسلمانوں نے ناقابلِ فراموش جانی و مالی قربانیاں پیش کیں- اس طویل سیاسی جدوجہد کا نتیجہ 23 مارچ 1940ء کو قرادادِ پاکستان کی صورت میں سامنے آیا جس میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ مملکت (پاکستان) کے مطالبے کو تسلیم کر لیا گیا- یہ تاریخ ساز دن ہمارے لئے ہر آنے والے دور میں ناقابل تردید اہمیت کا حامل ہے اور ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اپنی نظریاتی اساس کا تحفظ کرتے ہوئے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے-

تاریخ عالم میں شاذ و نادر ایسے مفکرین گزرے ہیں جن کی فکر کو اس قدر تیزی سے حمایت ملی اور اتنی سبک رفتاری سے اسے عملی طور پر اپنا لیا گیا ہو- اسلامیانِ ہند نے فکرِ اقبال (تصورِ پاکستان) کو عملی طور پر اپناتے ہوئے صرف ڈیڑھ عشرے میں علیحدہ مملکت کا حصول ممکن بنالیا- بالفاظ دیگر یہ اس لئے بھی ممکن ہوا کیونکہ درحقیقت یہ فکر اور تحریک دینِ اسلام جیسی آفاقی و روحانی قوت اور عشقِ مصطفٰے (ﷺ) کے سائے میں پروان چڑھی تھی- مزید یہ کہ رحمتِ ایزدی نے سب سے بڑا احسان یہ فرمایا کہ اس تحریک کو قائد اعظمؒ محمد علی جناح جیسا صاحبِ بصیرت اور مخلص لیڈر عطا فرمایا جس نے اپنی بصیرت اور مومنانہ صلاحیت سے قوم کی صورت گری کرتے ہوئے اسے ایک پرچم تلے جمع کیا اور اپنی جہدِ مسلسل اور عزمِ صمیم سے اقبالؒ کے خواب (پاکستان) کو شرمندہ تعبیر کیا-

قومی وحدت اور روشن مستقبل کیلئے ہم سب پر لازم ہے کہ قدرت کے اس عظیم تحفے (پاکستان) کی قدر اور حفاظت کریں اور پاکستانی شہری ہونے کے ناطے اس کی تعمیر و ترقی، قیامِ امن اور عالمی سطح پر اس کے اسلامی تشخص کو اجاگر کرنے میں اپنا مثبت کردار ادا کریں- اس وقت مملکت پاکستان کو جن اندرونی و بیرونی خطرات کا سامنا ہے اور آئے روز جس طرح اس کی روحانی و نظریاتی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کیلئے اندوہناک ہتھکنڈوں کا استعمال کیا جارہا ہے وہ قوم سے ڈھکا چھپا نہیں- تاہم گزشتہ چند برسوں میں جن مشکل حالات اور کنفیوژنز کا قوم نے کامیابی سے مقابلہ کیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے- اس کا سہرا تمام پاکستانی عوام بالخصوص دفاعی اداروں کو جاتا ہے جنہوں نے یک آواز ہو کر ان کٹھن حالات کا سامنا کیا ہے- موجودہ صورتحال میں یہ ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے کیونکہ نظریہ پاکستان کے دشمن (بھارت) نے کبھی پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا اور وقتاً فوقتاً سازشوں کے ذریعے ہماری قومی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اللہ کے فضل و کرم سے اُس کی ہر سازش ناکام ہوئی ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی ناکام ہوگی- پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جس کا وجود اسلامی نظریہ حیات اور اسلام کے آفاقی و روحانی اُصولوں پر قائم ہے اس لیے جغرافیائی سرحدوں کے دفاع کے ساتھ ساتھ پاکستان کی نظریاتی و روحانی بنیادوں کا دفاع بھی اہم قومی فریضہ ہے- اس نظریہ کے دفاع کے لیے ہمیں ہر سطح پر اس کا پرچار کرنا چاہیے-

خطبہ الٰہ آباد سے قراردادِ پاکستان تک

(مختصر جائزہ)

حافظ شہباز عزیز

یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ علامہ اقبال (رحمۃ اللہ علیہ) کا خطبہ الٰہ آباد (29 دسمبر 1930ء) اسلامیانِ ہند کی سیاسی و فکری تاریخ میں نہایت اہمیت کا حامل ہے اور یہ وہ بنیادی دستاویز ہے جس نے مسلمانانِ برِصغیر کو نہ صرف ایک خود مختار مملکت (پاکستان) کے وجود کا پہلا جواز فراہم کیا بلکہ ایک ایسی نظریاتی ریاست (اسلامی ریاست) کے قیام کا مطالبہ بھی ہے جس میں مسلمان تمدنی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں کیونکہ تہذیب و تمدن کی حفاظت بغیر نظریاتی ریاست کے ممکن نہیں ہے-مسلمان قوم کی اپنی ایک جداگانہ حیثیت ہے جن کی قومیت اپنی بنیاد میں رنگ، نسل، زبان اور جغرافیے کے اشتراک کی بجائے اسلام کے آفاقی و روحانی اُصولوں پر قائم ہے لیکن ان اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایک آزاد ریاست کے قیام کا مطالبہ کریں- جیسا کہ علامہ اقبالؒ خطبہ الٰہ آباد میں فرماتے ہیں:

"India is the greatest Muslim country in the World. The life of Islam as a cultural force in the country very largely depends on its centralization in a specified territory".

”ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے-اسلام کو بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے“-

[1] (پروفیسر فتح محمد ملک، فتنۂ انکارِ پاکستان، صفحہ 27)

اس خطبہ میں اقبال (رحمۃ اللہ علیہ) نے ”مسلم قومیت“ کے جداگانہ تشخص پر ممکنہ اعتراضات کا بھی تسلی بخش جواب دیا اور کمالِ استدلال سے یہ باور کرایا کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی الگ تہذیبی شناخت رکھتے ہیں جس وجہ سے وہ اقلیت نہیں بلکہ جدید معنوں میں ایک جداگانہ قوم ہیں- پروفیسر فتح محمد ملک ہمیں تدبر دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ:

”مسلم قومیت کی تعمیر و استحکام اور متحدہ ہندوستانی قومیت کی تردید کے متعلق اقبال (رحمۃ اللہ علیہ) کا کہنا ہے کہ برِصغیر کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اور منفرد تہذیب و معاشرت سراسر اسلام کے معاشرتی و روحانی اُصولوں پر مبنی ہے- اسلام سے اٹوٹ وابستگی ہی نے ہندی مسلمانوں کو ایک منتشر ہجوم سے ایک متحد و مستحکم قوم بنایا ہے- اگر وہ خدانخواستہ اسلام کے اجتماعی اُصولوں سے روگردانی کرتے ہوئے متحدہ ہندوستانی قومیت کے فریب میں مبتلا ہو گئے تو وہ پھر سے ایک منتشر ہجوم بن کر رہ جائیں گے“-[1]

اقبال کے نزدیک ہندوستان میں مختلف نسلوں، زبانوں اور مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں جو اپنے اعمال و افعال، تہذیب و تمدن، کلچر اور اطوارِ زندگی میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور ان میں بقائے باہمی کیلئے ضروری ہے کہ توازنِ اقتدار قائم کیا جائے- کیونکہ توازنِ اقتدار عمومی طور پہ ہندوستان کیلئے اور خصوصی طور پہ اسلام و اسلامیانِ ہند کیلئے

تاریخ ساز مواقع پیدا کرے گا-اِس ساری صُورت حال پہ جامع تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

"علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبہ الٰہ آباد میں قیامِ پاکستان کو ہندوستان اور اسلام دونوں کیلئے باعثِ خیر و برکت ٹھہرایا اور فرمایا کہ پاکستان کے قیام سے ہندوستان میں اندرونی توازنِ اقتدار قائم ہو گا اور اس توازنِ اقتدار سے ہندوستان کے اندر امن قائم ہو گا اور ہندوستان کی سرحدیں محفوظ ہو جائیں گی-ساتھ ہی ساتھ اسلام کو یہ موقع نصیب ہو گا کہ وہ عرب شہنشاہیت (Arabian Imperialism) کی چھاپ سے خود کو پاک کر کے اپنی ابتدائی سادگی اور پاکیزگی کی بازیافت کر سکے-شہنشاہیت نے اسلامی قانون، اسلامی تعلیم اور اسلامی کلچر کو منجمد کر رکھا ہے-پاکستان اسلام کی ایسی تجربہ گاہ بن جائے گا جہاں شہنشاہیت کے زیر اثر پیدا ہونے والا انجماد ٹوٹ جائے گا اور قانون، تعلیم اور کلچر کی دنیا حرکت و عمل سے آشنا ہو گی-اس طرح پاکستان میں اسلام کی حقیقی روح کو از سرِ نو دریافت کر کے روحِ عصر کے ساتھ ہم آہنگ کیا جا سکے گا"-[2]

اقبالؒ کے اِس تصورِ پاکستان کو حقیقت کا روپ دینے اور قافلہ کی قیادت کیلئے ایک ایسے صاحبِ بصیرت قائد کی ضرورت تھی جو ملت کے جسدِ خُفتہ وخوابیدہ میں آزادی کی تڑپ اور ولولہ پیدا کر سکے اور یہ عظیم ہستی دنیائے سیاست میں قائداعظم محمد علی جناحؒ کے نام سے معروف ہے جو اپنی ہمہ جہت اور کرشمہ ساز شخصیت میں جہاں ایک عبقری سیاستدان، اصول پرست قانون دان، بے باک وکیل، عظیم سیاسی مدبر، انسانی حقوق کے علمبردار، ناقابلِ تسخیر قوت ارادی، بلند پایہ ہمت، حوصلے، مومنانہ فہم و فراست اور غیر متزلزل عزم جیسے اوصاف کے مالک تھے وہیں ایک حقیقی اسلام شناس بھی تھے-

محققین کا کہنا ہے کہ اقبالؒ نے درج ذیل جملے قائداعظم کے اعزاز میں فرمائے تھے:

"For thousands of years a nation may lament and remain groping in darkness. Only then a visionary leader may be born to guide the nation". (Ahmed, 1997:139)[3]

"ہزاروں سال ایک قوم کے رنج و غم میں مبتلا اور اندھیرے میں گھومتے رہنے کے بعد ایک صاحب بصیرت لیڈر پیدا ہوتا ہے جو اس قوم کی رہنمائی کرتا ہے"-

معروف انگریز دانشور اور مصنف اسٹینلے وولپرٹ (Stanley Wolpert) نے قائداعظمؒ کی عالمگیر شخصیت کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

"Few individuals significantly alter the course of history. Fewer still modify the map of the world. Hardly anyone can be credited with creating a nation state. Mohammad Ali Jinnah did all three".[4]

"چند افراد تاریخ کا باب بدلتے ہیں-اب بھی چند ایک ہیں جو دنیا کا نقشہ بدل دیتے ہیں-بڑی مشکل سے کسی ایک کے سر سہرا جاتا ہے کہ وہ ایک "قومی ریاست" کی تخلیق کر سکے-محمد علی جناحؒ نے یہ تینوں کام سرانجام دیے"-

جناحؒ کی قائدانہ صلاحیت کے متعلق جمیل الدین احمد رقم طراز ہیں:

"Jinnah was indeed the only leader of Muslim India who could always respond to Muslim interests and aspirations, and who knew "how to express the stirrings of their minds in the form of concrete propositions".[5]

"جناح ہندوستانی مسلمانوں کے وہ واحد رہنما ہیں جنہوں نے ہمیشہ مسلم مفاد اور تمناؤں کو مدِ نظر رکھا اور وہ جانتے تھے کہ کس طرح مسلمانوں کی ذہنی فعالیت کا اظہار پختہ تجاویز کی صورت میں کیا جائے"-

---

[2](پروفیسر فتح محمد ملک، اقبال فراموشی، صفحہ 101،102)

[3](http://pu.edu.pk/images/journal/csas/PDF/17_v32_2_17.pdf)

[4](Stanley Wolpert, Jinnah of Pakistan, Oxford University Press)

[5](Sikandar Hayat,Aspects of the Pakistan Movement,Third Revised Expended Edition,2016,p 265)

تاریخ برِصغیر میں قائد اعظمؒ کے سیاسی مقام و خدمات اور آپ کی کثیر الجہت شخصیت کے متعلق خواجہ رضی حیدر لکھتے ہیں کہ:

"برصغیر کی جدید تاریخ میں سیاسی خدمات کے اعتبار سے قائد اعظم محمد علی جناح جس مقام و مرتبہ پر فائز ہیں وہ مقام اس خطہ ارضی پر کسی اور سیاسی رہنما کو حاصل نہیں ہوا۔ فراست، راست گوئی، ضبط و تحمل، دور بینی و پیش بینی، عالی حوصلگی و خود اعتمادی، استقلال و استقامت، ذاتی اور قومی معاملات میں صداقت، نجی و اجتماعی زندگی میں پاکیزگی، نفاست و شائستگی جیسے اوصاف ان کی فطرت ثانیہ بن گئے تھے۔ جناح ایک منطقی انسان تھے، اس لئے احتجاجی شور و غوغا سے زیادہ استدلال پر یقین رکھتے تھے"۔[6]

جب قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ نے میدانِ سیاست میں قدم رکھا تو ابتداء میں دونوں کا سیاسی رجحان وطنی قومیت (یعنی مغربی نیشنلزم کی تقلید میں ہندی وطنیت) تھا۔ مگر اقبال نے جلد ہی اس لسانی، نسلی و جغرافیائی بنیادوں پر مبنی مادہ پرستانہ تصورِ وطنیت کو اپنی مومنانہ بصیرت سے بھانپ لیا اور اس سے رجوع کر لیا لیکن جناحؒ ابھی تک متحدہ ہندوستانی قومیت (وطنی قومیت) کے حامی تھے اور عملی سیاست میں دادا بھائی نوروجی، سریندر ناتھ، سی۔ آر داس اور کرشن گوپال گھوکلے جیسے اعتدال پسند سیاسی قائدین کے ساتھ شانہ بشانہ ملکی سیاست میں گامزنِ سفر تھے اور 'ہندو مسلم اتحاد' کے سفیر کی حیثیت سے کانگریس اور مسلم لیگ میں مفاہمت کیلئے کوشاں تھے تو ایک طویل عرصے (یعنی نہرو رپورٹ 1928ء تک) علامہ اقبالؒ اور مسٹر جناح کے سیاسی افکار کی راہیں جُدا جُدا بلکہ بعض دفعہ بالکل مخالف سمت پر رہیں۔ یہ فاصلے قائد اعظمؒ کے مشہور 14 نکات (مارچ 1929ء) کے موقع پر ختم ہوئے اور یوں دونوں (اقبالؒ اور جناحؒ) کی ذہنی و فکری قربت بڑھنے لگی۔

لندن میں پہلی گول میز کانفرنس 12 نومبر 1930ء کو منعقد ہوئی جس میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سپہ سالار قائد اعظمؒ اپنے چند لیگی رفقاء کے ساتھ شرکت کیلئے لندن روانہ ہوئے جبکہ اس کانفرنس میں اقبالؒ مدعو نہیں تھے جس کا خلا قائد اعظمؒ نے محسوس کیا اور مسلم لیگ کے اجلاس میں علامہ اقبالؒ کا نام آئندہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس 1930ء کیلئے بطورِ صدر نامزد کروایا اور اقبالؒ نے اس اجلاس (الہ آباد میں) اپنا مذکورہ بالا شُہرہ آفاق تاریخی خطبہ الہٰ آباد پیش کیا۔ گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کے مطالبات تسلیم نہ ہونے اور ہندو ذہنیت اور رویے کی وجہ سے دلبرداشتہ ہو کر قائد اعظم ہندوستان چھوڑ کر لندن چلے گئے۔ کئی برس بعد ایک بیان میں انہوں نے اپنی ذہنی کیفیت کچھ اس طرح بیان کی ہے جس میں ان کی ہندوستان چھوڑ کر لندن سکونت اختیار کرنے کی وجہ واضح ہوتی ہے:

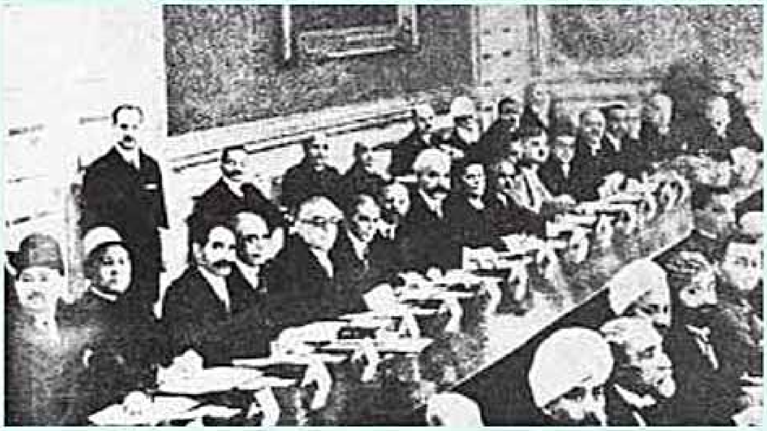

"میں نے مفاہمت کرنے کیلئے اس قدر مسلسل کام کیا کہ ایک اخبار نے لکھا کہ مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کی کوشش سے کبھی تھکتے نہیں۔ لیکن گول میز کانفرنس کے جلسوں میں ایسا دھچکا لگا جو زندگی میں پہلے کبھی نہ لگا تھا۔ خطرے کے سامنے ہندو جذبہ، ہندو ذہن اور ہندو رویے نے مجھے اس نتیجے پر پہنچا دیا کہ اتحاد کی کوئی امید نہیں۔ مجھے اپنے ملک کے بارے میں سخت مایوسی کا احساس ہوا۔ صورتحال بہت افسوسناک تھی۔۔! مَیں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ نہ تو مَیں ہندوستان کی کوئی مدد کر سکتا ہوں اور نہ ہی مسلمانوں کو یہ احساس دلا سکتا ہوں کہ وہ کس درجہ سنگین صورتحال سے دوچار ہیں۔ مجھے اس قدر مایوسی ہوئی اور مَیں اتنا آزردہ ہوا کہ مَیں نے لندن میں سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا"۔[7]

---

[6] (خواجہ رضی حیدر، قائد اعظم محمد علی جناح خطوط کے آئینے میں، صفحہ 22، پیس پبلیکیشنز، 2015ء)

[7] (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں خطاب مورخہ 5 فروری 1938ء۔ قائد اعظم: تقاریر و بیانات، صفحہ 214)

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے اقبالؒ جب دوسری گول میز کانفرنس (1932ء) میں شرکت کیلئے لندن تشریف لے گئے تو وہاں ان کی ملاقات محمد علی جناحؒ سے ہوئی جس میں انہیں ایک دوسرے کے نظریات جاننے اور سمجھنے کا موقع ملا- اقبالؒ نے مسٹر جناح کو برِ صغیر کے مسلمانوں کی سیاسی صورتحال سے آگاہ کیا اور اس بات پر قائل کیا کہ وہ انڈیا واپس آکر مسلمانانِ برصغیر کی قیادت سنبھالیں اور مسلمانوں کو برطانوی نو آبادیاتی نظام سے آزادی دلانے، غفلت کی نیند سے جگانے اور متحد کرنے کیلئے اسلامی اصولوں اور تعلیمات کے مطابق جہدِ آزادی کی تلقین کریں- اقبالؒ جانتے تھے کہ اسلامیانِ ہند کو ان سنگین حالات میں اگر کوئی شخص استعمار کی غلامی سے نجات دلا سکتا ہے تو وہ مسٹر جناح ہیں- خواجہ رضی حیدر لکھتے ہیں:

"1935ء میں قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی لندن سے حتمی واپسی کے بعد علامہ اقبال اور قائد اعظم کے تعلقات کا تاریخی دور شروع ہوتا ہے جس میں علامہ اقبالؒ نے بذریعہ مراسلت ہندوستان کے ملی، ثقافتی اور آئینی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا ہے- اقبال کے خطوط قائد اعظم محمد علی جناح کے نام جہاں مفکرِ پاکستان اور قائد کے درمیان تعلقات کا بیّن ثبوت ہیں وہاں برِ صغیر پاک و ہند کے ایک خاص عہد کے سیاسی حالات اور مسائل پر بھی گہری روشنی ڈالتے ہیں"-[8]

1937ء کے بعد اقبالؒ نے قائد اعظم کو جو خطوط لکھے ان میں مختلف آراء اور تجاویز پیش کیں جس کا عملی اظہار وقتاً فوقتاً جناحؒ کی سیاسی سرگرمیوں میں ہوتا ہے- ان خطوط میں اقبالؒ نے یہ بھی ذکر کیا کہ اس وقت آپ وہ واحد مسلم رہنما ہیں جو مسلمانانِ برصغیر کی قیادت کرتے ہوئے انہیں سیاسی بحران کے طوفان سے نجات دلا سکتے ہیں- اس بات کی وضاحت علامہ اقبالؒ بنام جناحؒ ایک مکتوب (21جون، 1937ء) میں ہوتی ہے جس میں اقبالؒ نے جناحؒ پر اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اس وقت جو طوفان شمال مغربی ہندوستان اور شاید پورے ہندوستان میں برپا ہونے والا ہے اس میں صرف آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے قوم محفوظ رہنمائی کی توقع کا حق رکھتی ہے"-[9]

قائد اعظمؒ کی لندن سے واپسی کا ایک اہم بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ جب وہ قیامِ لندن کے دوران اپنے فلیٹ میں مقیم تھے تو ایک شب حضور رسالت مآب (ﷺ) نے آپؒ کو خواب میں زیارت کا شرف بخشا اور حکم فرمایا کہ:

"مسٹر جناح برِ صغیر کے مسلمانوں کو تمہاری فوری ضرورت ہے اور مَیں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تحریکِ آزادی کی قیادت کرو، مَیں تمہارے ساتھ ہوں تم بالکل فکر نہ کرو، انشاء اللہ! تم اپنے مقصد میں کامیاب رہو گے"-[10]

واقعہ طویل تھا اسی لئے خوفِ طوالت کی وجہ سے اصل مدعا (حضور نبی کریم (ﷺ) کا قائد اعظم کو خواب میں کیا گیا فرمان مبارک) نقل کر دیا-

مسلمانوں کی سیاسی صورتحال، گول میز کانفرنس کے نتائج، قائد اعظمؒ کی لندن سے واپسی اور مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کی واضح جھلک ہم درج ذیل پیرائے میں دیکھ سکتے ہیں-

"بیسویں صدی کا چوتھا عشرہ برصغیر ہند کے سیاسی و دستوری ارتقاء میں بہت نازک مرحلہ تھا جبکہ اسلامیانِ ہند سخت انتشار و افتراق میں مبتلا تھے- گول میز کانفرنس کے نتیجے میں کمیونل ایوارڈ، صوبائی خود مختاری، قانونِ ہند کے 1935ء کی صورت میں سامنے آچکا تھا، جس کی تکمیل پر برِ صغیر کے آئندہ مقدر کا فیصلہ ہونا تھا- اس نازک مرحلے میں اقبال اور چند دوسرے درد مندانِ ملّت نے انگلستان میں مقیم مسٹر جناح سے التماس کیا کہ وہ ہند میں واپس آکر اسلامیانِ ہند کی قیادت فرمائیں- مسٹر جناح نے یہ دعوت قبول کرلی اور ہندوستان آکر آل انڈیا مسلم لیگ کی تنظیمِ نو

[8] (خواجہ رضی حیدر، قائد اعظم محمد علی جناح خطوط کے آئینے میں، صفحہ 282،)

[9] (خواجہ رضی حیدر، قائد اعظم محمد علی جناح خطوط کے آئینے میں، صفحہ 285)

[10] (پاکستان بشاراتِ اولیاء اور ہماری ذمہ داریاں، ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل، اگست 2018)

کا بیڑا اٹھایا-انتہائی نامساعد حالات میں چند برس کے اندر کاروانِ ملّی کی شیرازہ بندی کی اور پھر یہ کاروان اپنی منزل حُریّت، آزادی اور استقلال کی طرف بڑھتا چلا گیا"-[11]

تحریک آزادی کے اس سفر میں علامہ اقبالؒ علیل ہونے کے باوجود قائداعظمؒ کے شانہ بشانہ کھڑے رہے اور مسلم لیگ کی تشکیلِ نو میں قائداعظمؒ کو اپنے انمول مشوروں سے (بذریعہ خطوط) نوازتے رہے-1937ء میں قائد اعظم محمد علی جناح کے نام ایک مکتوب میں اس جانب توجہ مبذول کروائی کہ مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا جائے اور مسلم لیگ کی عوامی سطح پر تنظیم نو کی جائے-اقبالؒ نے (20 مارچ 1937ء) کے ایک خط میں قائد اعظمؒ کو یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ:

"ایشیاء میں اسلام کی سیاسی و اخلاقی قوت کے مستقبل کا انحصار بہت حد تک ہندوستانی مسلمانوں کی مکمل تنظیم پر ہے"-[12]

قائداعظمؒ کی سیاسی زندگی میں ان کے افکار و نظریات میں ارتقاء کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے-ان میں سب سے بڑی اور اہم نظریاتی تبدیلی ان کا ہندی قومیت سے اسلامی قومیت کی طرف رجوع اور متحدہ ہندوستان کی بجائے الگ ریاست کا مطالبہ ہے-

1936ء کے بعد قائداعظم جناحؒ کے نظریات میں نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے اور یہی وہ عرصہ ہے جب علامہ اقبالؒ سے ان کی خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا جس نے قائداعظمؒ کو انڈین نیشنل ازم سے مسلم قومیت اور متحدہ ہندوستان سے علیحدہ ریاست کے قیام کے مطالبہ پر لا کھڑا کیا اور جناحؒ اب اپنی تقاریر، بیانات اور سیاسی جلسوں میں مسلمانوں کیلئے علیحدہ قوم (جو اقبالؒ نے خطبہ الٰہ آباد میں استعمال کیا تھا) اور متحدہ ہندوستان کی بجائے علیحدہ ریاست (اقبالؒ کا تصور) جیسی اصطلاحات استعمال کرنے لگے-

مثلاً قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کے نظریہ کے متعلق جب درج ذیل بیان دیا تو وہ اقبالؒ کی اسلامی فکر اور مسلم قومیت کے جداگانہ تصور سے متاثر تھے-

"The ideology of league is based on the fundamental principle that Muslim India is an independent nationally....we are determined and let there should be no mistake about it, to establish the status of an independent nation and an independent state in this subcontinent".[13]

"لیگ (آل انڈیا مسلم لیگ) کے نظریے کی بنیاد اس بنیادی اصول پر ہے کہ ہندوستانی مسلمان ایک خود مختار قوم ہیں---ہم پر عزم ہیں اور برِ صغیر میں ایک خود مختار قوم کی حیثیت اور آزاد ریاست کے قیام سے متعلق اب کوئی مغالطہ نہیں ہونا چاہئے"-[14]

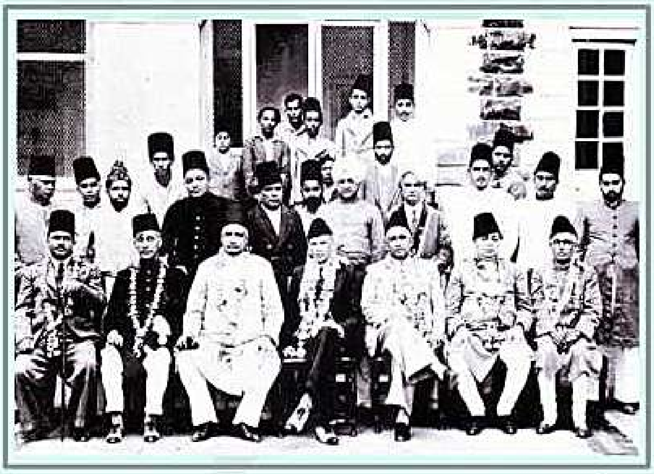

قائداعظمؒ نے گاندھی جی کو ایک خط لکھا جو ان کے تصورِ قومیت کی عکاسی کرتا ہے-اقتباس درج ذیل ہے:

"ہم کہتے ہیں اور یہ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ مسلمان اور ہندو ہر تعریف اور ہر معیار قومیت کی رو سے ہندوستان کی دو بڑی اقوام ہیں-ہم مسلمان 10 کروڑ نفوس پر مشتمل ایک قوم ہیں اور اس کے علاوہ یہ بھی کہ ہم اپنے ایک مخصوص و منفرد کلچر کے مالک ہیں-اخلاقی ضوابط و قوانین، رسم و رواج، روایات و اعتقادات، تاریخ، تعمیری اسالیب غرض زندگی کے بارے میں اور زندگی میں ہمارا اپنا ایک خاص نقطۂ نظر

---

[11] (پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، پاکستان تصور سے حقیقت تک صفحہ 5)

[12] http://pu.edu.pk/images/journal/csas/PDF/17_v32_2_17.pdf

[13] http://www.qurtuba.edu.pk/thedialogue/The%20Dialogue/5_2/Dialogue_April_June2010_136-164.pdf

[14] http://www.qurtuba.edu.pk/thedialogue/The%20Dialogue/5_2/Dialogue_April_June2010_136-164.pdf

ہے اور بین الاقوامی قانون کی ہر تعبیر کے مطابق ہم ایک مستقل قوم ہیں"۔[15]

اسی طرح مسلم لیگ کے لاہور میں منعقدہ مارچ 1940ء کے تاریخی جلسہ کے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ:

"قومیت کی تعریف چاہے جس طرح کی جائے مسلمان اس تعریف کی رو سے ایک علیحدہ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس بات کے مستحق ہیں کہ ملک میں ان کی اپنی الگ مملکت اور جداگانہ خود مختار ریاست ہو۔ہم مسلمان چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر ہم ایک آزاد قوم بن کر اپنے ہمسائیوں کے ساتھ ہم آہنگی اور امن کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہماری تمنا ہے کہ ہماری قوم اپنی روحانی، اخلاقی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کو کامل ترین نشو نما بخشے"۔[16]

مذکورہ بالا بیانات میں قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کی فکری مماثلت اور قائد اعظمؒ کی نظریاتی تبدیلی کا واضح اور غیر مبہم اظہار ملتا ہے۔

قرار دادِ پاکستان کے پس منظر میں 1935ء کا آزادی ہند ایکٹ، 1937ء کے انتخابات اور کانگریسی وزارتوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ کانگریس نے آزادی ہند ایکٹ (1935ء) کی مخالفت کی کیونکہ اس میں مسلم مفادات کے تحفظ کی اہم دفعات شامل تھیں۔مثلاً صوبائی خود مختاری، سندھ کو علیحدہ صوبہ کا درجہ دے دیا گیا وغیرہ۔لیکن اس قانون کے تحت کانگرس نے مارچ 1937ء کے صوبائی انتخابات میں حصہ لیا اور واضح اکثریت (11 میں سے 6 نشستوں) سے کامیابی حاصل کرتے ہوئے 8 صوبوں میں اپنی حکومت قائم کی اور اس طرح کانگریسی وزارتیں (1937ء تا 1939ء تک) برسرِ اقتدار رہیں۔ان وزارتوں نے جن نسلی و مذہبی تعصبات (واردھا سکیم، بندے ماترم گیت، گاؤکشی کا مسئلہ، ہندی کی ترویج وغیرہ) کو فروغ دیا اور مسلمانوں سے جو غیر منصفانہ رویہ (مسلم لیگ کے خاتمے کی کوشش، معاشی و معاشرتی دباؤ) اختیار کیا اس سے کانگریس کا اصل روپ پوری طرح بے نقاب ہو گیا۔

ان تمام مخالفتوں اور خطرات کے باوجود آل انڈیا مسلم لیگ قائد اعظمؒ کی مخلص قیادت میں آئے روز مضبوط سے مضبوط تر جماعت بنتی چلی گئی اور مسلمان اپنے سیاسی اختلافات کو بھول کر آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہوتے چلے گئے اور یوں وہ دن بھی آیا جب مسلمانوں نے یومِ نجات (دسمبر 1939ء میں) منایا۔

کانگریس کیلئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ متحدہ ہندوستان کا خیال ہمیشہ کیلئے دل سے نکال دے اور مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم تسلیم کر لے۔جس کا اظہار خود ایک کانگرسی رکن مسٹر این سی دت نے (جنوری 1940ء) کو اپنے ایک بیان میں کچھ اس طرح کیا کہ:

"میرا خیال ہے کہ ہندو مسلم قضیہ کا حل یہی ہو گا کہ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کو دو قومیں سمجھ لیا جائے اور پھر دو قوموں کی حیثیت سے ان کے ساتھ متحدہ قومیت کا خیال ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دل سے نکال دیا جائے"۔[17]

اسی طرح بانیانِ پاکستان (قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ) کی جہدِ مسلسل رنگ لائی اور یوں مسلمانانِ برِ صغیر کیلئے علیحدہ اسلامی ریاست کے قیام کی راہ ہموار ہو گئی یوں قرددادِ پاکستان (23 مارچ 1940ء) منعقد ہوئی جس میں اسلامیانِ ہند کیلئے علیحدہ مملکت کے مطالبے کو تسلیم کر لیا گیا اور یہ تاریخی قرار داد تاریخِ قیامِ پاکستان میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

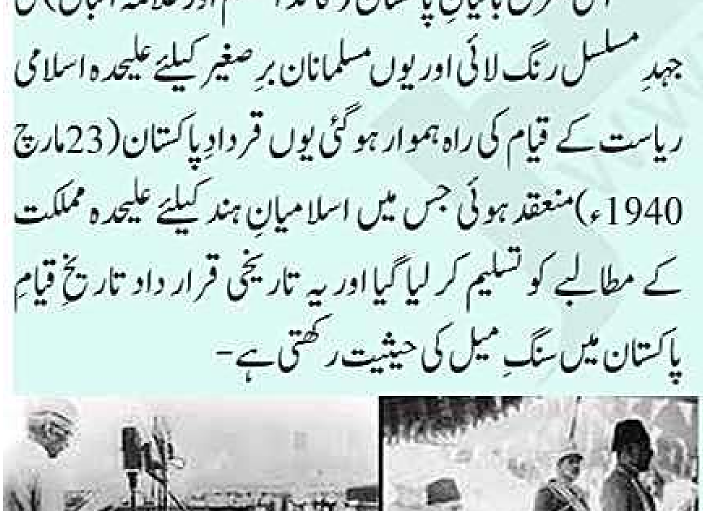

☆☆☆

[15] (آغا اشرف، زدادِ پاکستان، صفحہ 34،35)

[16] (تصور پاکستان بانیان پاکستان کی نظر میں، صفحہ 13، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان)

[17] (محمد علی چراغ، پاکستان منزل بہ منزل (1901ء تا 1947ء)، صفحہ 52)

Sufism In The 21st Century

تصوف اکیسویں صدی میں

(ایک عالمی تناظر)

رپورٹ: مسلم انسٹیٹیوٹ

مسلم انسٹیٹیوٹ یو-کے چیپٹر نے امپیریل کالج ریکارڈ ہال لندن میں ”تصوف اکیسویں صدی میں: ایک عالمی جائزہ“ کے موضوع پر سیمینار کا انعقاد کیا- اس موقع پر لارڈ ڈنکن مکنیئر مہمان خصوصی تھے- صاحبزادہ سلطان احمد علی (چیئرمین مسلم انسٹیٹیوٹ) اور زہرا کوستا دینووا (یونیورسٹی کالج لندن) نے اپنے خیالات کا اظہار کیا- ڈاکٹر اقبال حسین (صدر مسلم انسٹیٹیوٹ یو-کے چیپٹر) نے ابتدائی کلمات ادا کیے- بیرسٹر عمار فاروق نے ماڈریٹر کے فرائض سرانجام دیے-

مقررین کے اظہار خیال کا مختصر خلاصہ درج ذیل ہے:

تصوف اسلام کا حقیقی پیغام ہے جو کہ رحم، صبر، صلح رحمی اور امن ہیں جیسا کہ رسول اللہ (ﷺ) کی حیات طیبہ سے ظاہر ہے- تصوف کی بساط اتنی عالمگیر ہے کہ یہ نہ صرف پوری انسانیت کا احاطہ کرتی ہے بلکہ دوسری حیاتیات اور ماحول جس کی حفاظت کر کے اگلی نسل کو منتقل کرنا ہمارا فرض ہے اس کا درس بھی دیتی ہے- تصوف مساوات، عاجزی اور انسانیت کی خدمت کے اصولوں پہ مبنی ہے- تصوف سے سالک کی زندگی میں تبدیلی رونما ہوتی ہے اور وہ ایک پست درجے (خود غرضی، بالا دستی) سے بلند درجے (عزت، باہمی اعتماد اور انکساری) کی جانب رخ کرتا ہے- اسی طرح روحانیت انتہاء پسندی اور تنگ نظری کی نفی کرتی ہے اور کثیر الانواع ثقافتوں میں فاصلوں کو مٹاتی ہے-

صوفی ازم جسے تصوف یا اسلامی روحانیت بھی کہتے ہیں اس کی بنیاد قرآن وحدیث ہیں- جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا گیا ہے:

”قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی“[1]

”بے شک وہی بامراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہ کی آلودگیوں سے) پاک ہو گیا“-

تصوف کا بنیادی مقصد قلب کی پاکیزگی ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۙ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۙ[2]

”جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ اولاد- مگر وہی شخص (نفع مند ہو گا) جو اللہ کی بارگاہ میں سلامتی والے بے عیب دل کے ساتھ حاضر ہوا“-

[1](الاعلیٰ:14)

[2](الشعراء:88-89)

ایشیاء کے بہت سے خطوں میں سے جب ہم وسطی ایشیاء کا رخ کریں وہ خطہ جس کو بڑی ثقافتی حیثیت حاصل ہے اور جس کو مسلم دنیا میں بڑی اہمیت حاصل رہی اس کا مسلم تاریخ اور ثقافت کے فروغ میں بڑا کردار ہے- اس کے ورثہ میں صوفیانہ رنگ بہت واضح ہے- اسلام کے چار فقہ "حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی" میں سے فقہ حنفی کو وسطی ایشیاء میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی- دوسرا پہلو جس کا تعلق فقہ سے نہیں بلکہ عقیدہ سے ہے وہ تصوف ہے جس کو اس خطہ میں بہت مقبولیت حاصل ہے- آج دن تک یہ لوگ فقہی لحاظ سے حنفی اور عقیدہ کے لحاظ سے صوفی ہیں- انیسویں صدی تک یہ صورتحال صرف وسطی ایشیاء تک محدود نہیں تھی بلکہ پوری دنیا میں تمام سنی مسلمان تصوف پہ یقین رکھتے تھے-

اگر جنوبی ایشیاء کا جائزہ لیا جائے تو افغانستان اس خطے کا ایک بہت اہم ملک ہے جہاں 4 دہائیوں سے جنگی صورتحال ہے پھر بھی افغانیوں کی ایک بڑی تعداد صوفیانہ نظریات کی قائل ہے- یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جنوبی ایشیاء میں اسلام ایسے صوفیاء کی وجہ سے پھیلا جو فارسی بولنے والے تھے اور ان کی بڑی تعداد وسطی ایشیاء سے آئی- یہ ہی وجہ ہے کہ آج دن تک فارسی ادب کو مسلمانوں اور صوفی ادب میں بہت اہمیت حاصل ہے-

پاکستان کا رخ کریں تو معلوم پڑتا ہے کہ 2005ء سے لے کر اب تک خانقاہوں پر 29 چھوٹے بڑے دہشت گردی کے حملے ہو چکے ہیں جن میں 209 سے زائد لوگ شہید اور 509 لوگ زخمی ہو چکے ہیں- اس کے باوجود صوفیاء اور ان سے منسلک لوگ دہشت گردی کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں- دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کے 2 ادارے پاکستان فوج اور خانقاہیں پیش پیش ہیں جنہوں نے اس دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی مہم شروع کر رکھی ہے- اگرچہ ایشیاء کی زیادہ تر آبادی تصوف کی پیروکار ہے لیکن پھر بھی صوفیانہ تحریکوں کو دہشت گردی کی لہر کی وجہ سے بہت مسائل کا سامنا رہا ہے-

اگر جنوبی مشرقی ایشیاء کی بات کریں بالخصوص انڈونیشیاء تو یہاں پر بھی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو تصوف پہ یقین رکھتی ہے- لوگوں کی ایک بڑی تعداد شیخ علی الرینارئیؒ کی تعلیمات سے متاثر ہے جو کہ حضرت شیخ بہاوالدین زکریا ملتانیؒ کے مرید تھے اور آپ نے انڈونیشاء میں اسلام کی تبلیغ کی- آپ جیسے بزرگان دین کی وجہ سے مشرق بعید تک کے مسلمانوں جن میں ملائشیاء اور فلپائن بھی شامل ہیں میں صوفیانہ تعلیمات کا عنصر محسوس کیا جا سکتا ہے-

برِاعظم ایشیا کے دوسرے کونے پر، ایشیاء اور یورپ کے سنگم پر ترکی واقع ہے جو مسلم تہذیب اور صوفی روایات میں اہم مقام رکھتا ہے- خصوصاً ترکی میں مولانا روم کا اثر نہایت اہمیت کا حامل ہے-

اگر یورپ میں بوسنیا کا جائزہ لیا جائے تو اس میں تصوف کا تجزیہ 2 پہلوؤں سے کیا جا سکتا ہے- اس میں پہلا رخ بعد از سوشلزم یا جنگِ عظیم اول کا ہے- بعدِ از سوشلزم اس ضمن میں کہ بوسنیا پہلے یوگوسلاویہ فیڈریشن کا حصہ تھا- تاہم، یہاں پر صوفی ازم کی ترویج ہوتی رہی جبکہ کوسوو اور سربیا کا کچھ حصہ بھی صوفی روایات پر عمل پیرا رہا- بوسنیا میں مذہبی احیاء کی بات کی جائے تو اس کا موازنہ سابقہ سوویت ریاستوں سے کرنے کی بجائے اس کا جائزہ وسیع تناظر میں لینا چاہیئے- صوفی ازم کا بوسنیا میں دوسرا پہلو سلطنت عثمانی رنگ ہے- یوگوسلاویہ

میں مذہبی پابندیوں کے باعث، بوسنیائی اور ترک شیوخ کے مابین روابط میں فاصلہ رہا- صوفی روایات کے معاشرہ پر واضح اثرات 1990ء میں کمیونزم کے زوال کے بعد ہی نمودار ہوئے- یوگوسلاویائی پابندیوں کا سب سے بڑا نقصان روحانی سلاسل سے علمِ تصوف کی ترویج کو ہوا- سلطنتِ عثمانیہ کے انحطاط اور یورپین سلطنت کے قیام نے صوفی ازم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا اور بڑی حد تک روحانی علوم زوال پذیر رہے-

صوفی ازم اسلام میں علمی روایات کا امین ہے- رسول پاک (ﷺ) پر پہلی وحی کا ابتدائی لفظ ”اقراء“ تھا- بوسنیا میں صوفی تعلیمات کا مقصد امن اور بردباری کی ترویج تھا اور اس کا حصول کامل طور پر اسلامی روایات پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے- اس کے لیے دین اور دنیا دونوں کو اسلام کے زیرِ اثر لانا ہوگا- صوفی شیوخ بوسنیا میں معاشرہ پر گہرا اثر رکھتے ہیں- ترکی اور بوسنیا میں گہرا ثقافتی تعلق قائم ہے اور ترکی بوسنیا میں صوفی ورثہ کی بحالی کے لیے اہم اقدامات اٹھا رہا ہے جس میں صوفی لاجز کا قیام اور رومی اور حافظ جیسے صوفی شعراء کے کلام کے تراجم کا اشتراک بھی شامل ہے- نوجوان اکثر صوفی ازم کی طرف مائل نظر آتے ہیں کیونکہ اس میں وہ روحانی شیخ سے اپنا تعلق استوار کرسکتے ہیں جو ان کے لیے روحانی رہنمائی کے ساتھ پدری شفقت کا منبع بھی ہوتا ہے-

آج صوفیاء اور صوفی ازم کو سب سے بڑا چیلنج وہ شدت پسند ہیں جو دوسروں پر کفر کے من گھڑت فتوے لگاتے ہیں- دوسرا چیلنج صوفی ازم کی تعلیمات کا مرکز خانقاہی نظام کا زوال ہے جو اپنا کردار ماضی کی طرح ادا کرنے سے قاصر ہے- اس وجہ سے بعض لوگوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ صوفی ازم محض دنیاوی وسائل جمع کرنے کا نام ہے جس سے تصوف کی روح کو نقصان پہنچ رہا ہے- تاہم، اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک خصوصاً مصر، مراکش، ترکی اور پاکستان میں صوفی تعلیمات کے احیاء کے لیے کچھ لوگ اپنی ذات و نفس کی پاکیزگی کے ذریعے اہم کردار ادا کر رہے ہیں-

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہمیشہ سے مقدار کے مقابلے میں معیار کی کمی رہی ہے- اگر آپ تصوف پر امام قشیری کی انتہائی اہم کتاب ”رسالہ قشیریہ“ کا جائزہ لیں تو آپ کو ماضی اور حال میں بہت سی ایک جیسی چیزیں دکھائی دیں گی- امام قشیری 1000 سال قبل فرماتے ہیں کہ تصوف زوال کا شکار ہے اور آج آپ دیکھ سکتے ہیں کہ تصوف کا امین خانقاہی نظام انحطاط کا شکار ہے-

ہم سب اپنے معاشرہ کو اپنی آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ بنانا چاہتے ہیں- انسانی حقوق کی تعلیم ایک بردبار معاشرہ کے قیام میں نہایت ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے اور اس تعلیم کے ذریعہ لوگوں میں برداشت اور اخلاق کا کلچر پیدا ہو رہا ہے- چونکہ افراد ان حقوق کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں اس لیے لوگوں پر انفرادی توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ ایک بہتر معاشرہ کا قیام عمل میں لایا جاسکے- اسی طرح ادب، ہم آہنگی اور برداشت پر مبنی اسباق ہمارے تعلیمی نظام کا لازمی حصہ ہونے چاہئیں-

☆☆☆

Artificial intelligence Benefits and Risks for Humanity

مصنوعی ذہانت کے انسانوں کے لئے خطرات اور فوائد

مسلم انسٹیٹیوٹ

مسلم انسٹیٹیوٹ یو-کے چیپٹر کے زیر اہتمام لندن میں "مصنوعی ذہانت کے انسانوں کے لئے خطرات اور فوائد" کے موضوع پر راؤنڈ ٹیبل ڈسکشن کا انعقاد کیا گیا- اس موقع پر پروفیسر طارق ستار، لندن ساؤتھ بنک انوویٹو سنٹر، پروفیسر فلپ برل، لندن ساوتھ بنک یونیورسٹی اور اینڈریو مارٹن، تکنیکی ماہر اور مہتمم نے اپنے خیالات کا اظہار کیا- محمد علی افتخار (پروگرام مینیجر، دی مسلم ڈیبیٹ) نے ماڈریٹر کے فرائض سرانجام دیے-

مقررین کے اظہار خیال کا مختصر خلاصہ درج ذیل ہے:

مصنوعی ذہانت کا مقصد فیصلہ سازی میں انسانی مداخلت کو کم کرنا ہے- مصنوعی ذہانت ہر صورتحال میں انسانی دماغ کا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن بہت سے کام ایسے بھی ہیں جن کا سرانجام دینا انسانی دماغ کے بس کی بات نہیں جیسا کے جہاز کی پرواز کے لیے کمپیوٹر کی مدد درکار ہوتی ہے- یہ عمومی نقطہ نظر ہے کہ مصنوعی ذہانت نے بہت سے روزگار ہڑپ کر لیے ہیں لیکن جب بھی ایک قسم کا روزگار ختم ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے جیسا کے "کافی مشین" کی ایجاد کے بعد کافی تیار کرنے کے لیے انسان کی ضرورت نہیں لیکن کافی مشین تیار کرنے والی فیکٹری میں روزگار کے بہت سے مواقع پیدا ہو گئے- اس کام پہ بہت تحقیق جاری ہے کہ انسان نما روبوٹ تیار کیے جائیں، یہ روبوٹ کسی حد تک تو کام کر سکتے ہیں جیسا کے چہرہ شناسی لیکن اعلیٰ سطح کی ذہانت ممکن نہیں جیسا کہ حالات کو مد نظر رکھ کے فیصلہ کرنا-

مصنوعی ذہانت ان علاقوں میں طب کے شعبوں میں بہت اہم کردار ادا کر سکتی ہے جہاں طبی سہولیات پہنچانا ممکن نہیں جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ افریقہ میں ہر منٹ کے بعد ایک بچہ ملیریا اور دیگر مہلک امراض جیسا کہ ذیکا وائرس کی وجہ سے جاں بحق ہوتا ہے-اس ٹیکنالوجی کے ذریعے ہم دیہی اور دور دراز علاقوں کے باشندوں کو اپنی صحت کا خیال رکھنے کے قابل بنا سکتے ہیں-اس مقصد کے لیے ہم بڑے سادہ صحت کی حفاظت کے طریقہ کار استعمال کر سکتے ہیں-زیادہ تر بیماریاں آلودہ پانی اور جانوروں کی وجہ سے پھیلتی ہیں بلکہ بعض پیدائشی بھی ہوتی ہیں-یہ بیماریاں دیہی علاقوں میں بڑی تیزی سے پھیلتی ہیں اور بعض اوقات ان پہ بڑے سادہ طریقے سے بھی قابو پایا جا سکتا ہے جس کی معلومات لوگوں میں نہیں ہوتی جیسا کہ مریض کو پانی پلائے رکھنا-موبائل طبی سہولیات بھی مہیا کی جا سکتی ہیں جس کو ایک عام آدمی بھی کام میں لا سکتا ہے-دیہی علاقے کے لوگوں کو یہ تربیت بھی دی جا سکتی ہے کہ وہ خود اپنی صحت کا خیال رکھیں-سادہ مصنوعی ذہانت کے طریقہ کار سے مختلف آبادیوں کی صحت کے ریکارڈ کی چھان بین ممکن ہے جیسا کہ بڑے ہسپتالوں میں یہ سہولت موجود ہوتی ہے-تشخیص کے مختلف طریقہ کاروں کو بروئے کار لاتے ہوئے بہت سی بیماریوں کا علاج ممکن ہے-سادہ مصنوعی ذہانت کے تشخیصی طریقہ کار سے وہ سادہ اصول جن کے ذریعے ڈاکٹر تشخیص کرتے ہیں، کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے-جدید مصنوعی ذہانت کے تشخیصی طریقہ کار میں خون کے نمونوں کا ٹیسٹ بھی ممکن ہے-مصنوعی ذہانت کے ذریعے ہم مریضوں کا آن لائن ریکارڈ بھی محفوظ رکھ سکتے ہیں-لوگوں کو یہ تربیت دینا ہوگی کے مصنوعی ذہانت کے ذریعے اپنی صحت کی حفاظت کا ذمہ خود لیں جس سے ایک صحت مند اور خوشگوار معاشرے کا قیام کیا جا سکتا ہے-

انڈسٹری میں استعمال ہونے والی مشینری نہایت قیمتی ہوتی ہے اور اس کی مناسب دیکھ بھال بہت ضروری ہے-صنعتی مشینوں کے دیو ہیکل وجود مسلسل معائنہ کے متقاضی ہوتے ہیں-اس کے علاوہ ان کی تنصیب دور دراز ہوتی ہے-اس لیے ان تک رسائی بھی مشکل ہوتی ہے-اس کے علاوہ یہ بہت حساس ہوتے ہیں اور معمولی نقصان بھی بہت بڑے حادثے کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے-ان صنعتوں میں تیل و گیس، نیوکلیائی پلانٹس، ہوائی چکیاں، ذرائع آمد و رفت اور ریلویز شامل ہیں جو کہ اپنی اہمیت کے پیشِ نظر مسلسل دیکھ بھال کی ضرورت رکھتی ہیں - انسان زیادہ درجہ حرارت اور ناقابلِ رسائی ہونے کی وجہ سے چلتی مشینوں کا معائنہ نہیں کر سکتے اور روبوٹس اس کام کے لیے بہتر آپشن ہیں-

غیر تخریبی جانچ میں ماہر، انتہائی قابل معائنہ کاروں اور روبوٹس کا تعاون کسی بھی ڈیٹا کے تجزیہ کو آسان اور فیصلہ سازی کی قوت کو تیز بنا سکتا ہے-ایسے روبوٹس ظاہری معائنہ اور سرویلینس میں نہایت معاون ثابت ہوتے ہیں-روبوٹک مشینری آئل اور گیس ٹینکس کی لیکیج، زنگ خوردگی اور جمع شدہ فاضل مادوں کی تشخیص میں بہت مددگار ہے-روبوٹس نیوکلیر پلانٹس سے لے کر کثیر المنزلہ عمارات کی ساخت میں موجود نقائص کی با آسانی نشاندہی کر سکتے ہیں-ایسے متحرک روبوٹس بنائے جا رہے ہیں جو کسی بھی نازک اور اہم انفراسٹرکچر کی سلامتی کو جانچ سکیں، اس کی حفاظت کو یقینی بنائیں، اس کی معائنہ اور مرمت کی قیمت کو کم کریں اور ممکن ہو تو اس کی مشینری کو بند کیے بغیر اس کی جانچ پڑتال کر سکیں-بلاشبہ، اصل مقصد ان کارکنان کی حفاظت ہے جو ایسے خطرناک ماحول میں اپنا کام سرانجام دیتے ہیں-بہت سے غوطہ خوروں کی اموات واقع ہو چکی ہیں جو سمندر اور دوسری تہوں میں ایسے اسٹرکچرز کی مرمت و معائنہ کرتے ہیں-

تاہم، روبوٹس کی تخلیق بہت سے مسائل بھی پیدا کر سکتی ہے- اس ضمن میں یہ انتہائی ضروری ہے کہ مشینی سسٹم شفاف اور تعصب سے پاک ہوں- اس کے علاوہ روبوٹک مشینز کے کامیاب استعمال کے لیے مناسب ٹریننگ چاہیے ہوتی ہے جو کہ وقت طلب بھی ہے اور دِقّت طلب بھی- بسا اوقات، یہ مشینیں ایسے نتائج بھی اخذ کر سکتی ہیں جو کہ غلط اور تباہ کن ثابت ہو سکتے ہیں- اس کے علاوہ ان سے غیر مستقل، جانبدار اور بے تکے نتائج بھی سامنے آ سکتے ہیں- مصنوعی ذہانت پر یو- کے رپورٹ کے مطابق ڈیٹا کا بہت زیادہ حجم، اس کا ذریعہ حصول اور اس کا نامناسب استعمال غیر حقیقی نتائج کی طرف لے کے جا سکتا ہے- روبوٹ، کمپیوٹر اور دوسری ٹیکنالوجی کے اشتراک سے ایسی مخلوق تشکیل دی جا رہی ہیں جو کئی گنا زیادہ ذہین ہونے کے باعث انسان پر تباہ کن اثرات مرتب کر سکتی ہیں- لوگوں میں یہ ڈر ہے کہ مشینیں مصنوعی نظامِ تنفس سے ہوائی جہازوں تک کو کنٹرول کر رہی ہیں اور اگر ان کا کنٹرول انسان کے ہاتھ سے نکل گیا تو نتائج کا سوچنا بھی ناممکن ہے- ان مسائل کا تدارک مصنوعی ذہانت کے الگورزم تشکیل دے کر ان میں جانبداری تلاش کرنے کے لیے ان کی چھان بین میں ہے- اس کے علاوہ حکومت کو ایسے نظام اپنے کنٹرول میں رکھنے چاہییں جن کی رسائی حساس معلومات تک ہے- یورپی یونین نے ڈیٹا یا معلومات کے استعمال سے متعلق ایک قانون بھی متعارف کرایا ہے جس کے مطابق کوئی بھی یورپی شہری اپنے متعلق معلومات کو تلف کروانے کا حق رکھتا ہے- تاہم، روبوٹس کے فوائد و نقصانات سے متعلق بحث میں ابھی گنجائش باقی ہے-

وقفہ سوال و جواب:

چار سال قبل جب آپ کسی بنک میں جاتے تھے تو انسانی عملہ آپ کے روبرو ہوتا تھا لیکن اب انسانوں کی جگہ روبوٹس اور مشینوں نے لے لی ہے- اگر مشین نے آپ کی کمانڈ ماننے سے انکار کر دیا تو آپ کے پاس کوئی راستہ نہیں بچتا- حقیقتاً، آپ کو جواباً روبوٹ جیسا ردِ عمل دینا پڑتا ہے- اس صورتحال سے بیروزگاری میں اضافہ ہوا ہے- چند سال پہلے جہاں دس لوگ کام کرتے ہیں، آج وہاں صرف دو لوگ بچے ہیں- باقی تمام کی جگہ روبوٹس نے لے لی ہے اور ایسے سسٹمز اس لیے بنائے گئے ہیں کہ مشینیں ایسے پیچیدہ عوامل سیکھ سکتی ہیں جو انسانوں کی دسترس سے باہر ہیں- اگر آپ ایسا سسٹم بنائیں جس میں بہت سے ڈاکٹرز کا مجموعی تجربہ درج ہو تو ایسا سسٹم بہتر انداز میں کام کر سکتا ہے- ایسا سسٹم بہت پیچیدہ اور زیادہ حجم والے ڈیٹا

کے تجزیہ سے اہم فیصلے آسانی سے لے سکتا ہے- تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جب ایسے سسٹمز اور ڈاکٹر مل کر کام کرتے ہیں تو بہتر نتائج حاصل ہوتے ہیں- ابھی ہم مصنوعی ذہانت کی ترقی کے ابتدائی مراحل پر ہیں، جب یہ ٹیکنالوجی مکمل طور پر قابلِ عمل ہو جائے گی تو انسانوں کو مدد و معاون ثابت ہو گی- انسانوں کی طرح بازو، آنکھیں اور دماغ رکھنے والے روبوٹس شدید اور مشکل ماحول جیسا کہ گولڈ مائننگ میں مفید ثابت ہوں گے جہاں انسان کام نہیں کر سکتا- انسانوں جیسی قابلیت اور تحرک سے لیس روبوٹس اہم نتائج پیدا کریں گے- مشینوں کو بنانے کا مقصد ان سے ایسے مشکل کام لینا ہے جو انسان کی قوت سے باہر ہیں- جب ہم روبوٹس کو فیصلہ سازی کی قوت سے لیس کرنا چاہتے ہیں تو اس کا مقصد ان کو ناقابلِ رسائی مقامات پر کام کے قابل بنانا ہے-

☆☆☆

(قسط:1)

غصہ

(تعلیماتِ اسلامیہ کی روشنی میں)

شہلا نور

جس طرح باغ میں انواع و اقسام کے پھول اپنی اپنی بہاریں دکھا رہے ہوتے ہیں لیکن ان کے ساتھ خار بھی موجود ہوتے ہیں اسی طرح اللہ رب العزت نے انسان کو مختلف جذبات کا مجموعہ بنایا ہے ان جذبات میں جہاں پیار، محبت، خلوص وغیرہ خوشبو بکھیرتے ہیں وہیں مثلِ خار غیظ وغضب کے جذبات بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنی قوتیں اور صلاحیتیں عطا کی ہیں ان میں سے ایک بھی لایعنی، بیکار اور فالتو نہیں بلکہ ہر ایک کا ایک صحیح اور جائز مصرف رکھا ہے اور ان میں سے ایک صفت بھی بندے میں نہ ہو تو انسان کو ناقص سمجھا جائے گا۔ غصہ وغضب کے بارے میں بھی یہی بات ہے کہ یہ صلاحیت جو ودیعت کی گئی ہے فضول نہیں کیونکہ اس کے ذریعے انسان اپنے دین، اپنی جان کی حفاظت کرتا ہے۔ مکروہات وناگوار امور کے خلاف مشتعل ہو کر اقدام کرنے، خود کو اور اپنے پیاروں کو تحفظ دلانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس کا غلط استعمال قطعاً درست نہیں۔

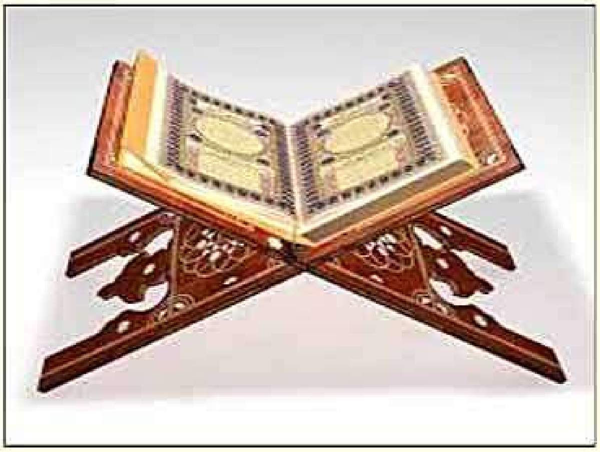

اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے مومن و مخلص بندوں کی متعدد صفات بیان کی ہیں وہیں ان کی یہ صفت بھی بیان کی ہے کہ:

"وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ"[1]

"اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں"۔

اس لیے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"ليس الشديد بالصرعة انما الشديد الذی يملك نفسه عند الغضب"[2]

"پہلوان وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے"۔

آیئے!!! اب غصہ کی حقیقت پر نظر ڈالتے ہیں:۔

غصہ کی حقیقت:

مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"غضب یعنی غصہ نفس کے اس جوش کا نام ہے جو دوسرے سے بدلہ لینے یا اسے دفع کرنے پر اُبھارے۔ غصہ اچھا بھی ہے اور برا بھی۔ اللہ کے لیے غصہ اچھا ہے جیسے مجاہد غازی کو کفار پر یا کسی واعظ عالم کو فساق و فجار پر یا ماں باپ کو نافرمان اولاد پر آئے؛ اور برا بھی ہوتا ہے جیسے وہ غصہ جو نفسانیت کے لیے کسی پر آئے"۔[3]

امام غزالی علیہ الرحمہ غصے کی حقیقت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آدمی کی تخلیق اس انداز میں کی گئی ہے کہ اس کی فنا اور بقاء مقصود تھی لہٰذا اس میں غصہ رکھ دیا گیا۔ یہ حمیت وغیرت کی قوت ہے جو انسان کے باطن سے پھوٹتی ہے"۔[4]

[1] (آل عمران:134)

[2] (صحیح مسلم، کتاب البر، رقم الحدیث:6614)

[3] (مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، مفتی احمد یار خان نعیمی، جلد:6 صفحہ:441)

[4] (لباب الاحیاء، ص:248)

مزید فرماتے ہیں:

"انسان کی بعض اوقات آتش غضب اتنا بھڑک اٹھتی ہے کہ اس سے انسان کے دل کا خون بھی کھولنے لگتا ہے- پھر وہ خون بدن کی دیگر رگوں میں پھیل جاتا ہے اور جب دماغ تک اس طرح پہنچتا ہے جیسا کہ کھولتا ہوا پانی تو وہ خون وہاں پھیلنے کے بعد چہرے میں سرایت کر جاتا ہے جس سے غصہ کرنے والے کا چہرہ اور اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور کھال کا ظاہری حصہ صاف ہونے کی وجہ سے اپنے اندر موجود خون کی سرخی ظاہر کر دیتا ہے- ایسا اس وقت ہوتا ہے جب انسان یہ سمجھ لے کہ وہ اپنے مغضوب (جس پر غصہ آیا) پر قدرت رکھتا ہے ورنہ اگر انسان کو اپنے سے زیادہ طاقتور پر غصہ آئے اور انتقام لینے کی امید بھی نہ ہو تو اس کا خون کھال کے ظاہری حصے سے سمٹ کر دل کے اندر چلا جاتا ہے اور الٹا خوف پیدا ہو جاتا ہے- جس سے اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اور اگر ہم پلہ شخص پر غصہ آئے اور اس پر قدرت پالینے میں شک ہو تو اس کا خون پھیلنے اور سمٹنے کے درمیان متردد ہوتا ہے جس کی وجہ سے کبھی اس کا رنگ سرخ اور کبھی زرد ہوتا ہے- نیز وہ بے چینی محسوس کرتا ہے"-[5]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غصہ کی قوت کا مقام دل ہے- جب انسان کسی چیز کو پسند یا ناپسند کرتا ہے تو غضب و غصہ سے بھی پاک نہیں رہ سکتا- غصہ ایک فطری عمل ہے عموماً ہم ایک جملہ سنتے ہیں کہ غصہ حرام ہے لیکن اس کے پینے پر ثواب ہے تو درست بات یہ ہے کہ غصہ مطلقاً حرام نہیں بلکہ غصہ اگر کسی باطل کی وجہ سے ہو تو قابل مذمت ہے اور اگر باطل کی بجائے حق کی وجہ سے ہو تو قابل تعریف ہے- یہی وجہ ہے کہ محبوب رب کائنات (ﷺ) نے اگر کسی پر غضب فرمایا تو اللہ رب العزت کی خاطر--- چنانچہ:

"رسول اللہ (ﷺ) کی بارگاہ اقدس میں ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ (ﷺ) میں فجر کی نماز تاخیر سے پڑھتا ہوں (جماعت کے بعد) کیونکہ امام طویل قرأت کرتا ہے-(راوی کہتے ہیں) میں نے رسول اللہ (ﷺ) کو جتنے غصے میں اس دن نصیحت کرتے ہوئے دیکھا اس سے پہلے کبھی اتنی شدت نہیں دیکھی تھی- آپ (ﷺ) نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو لوگوں کو منتشر کرتے ہیں لہٰذا جب تم میں سے کوئی لوگوں کو جماعت کروائے تو نماز کو مختصر رکھے کیونکہ اس کے پیچھے بچے، بوڑھے اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں"-[6]

بہر حال غصہ ایک ایسا ردعمل ہے جو کسی بھی ناخوشگوار صورتحال سے سامنے آتا ہے- لیکن جب ہم غصے میں برس پڑنے کی بجائے اس پر قابو رکھتے ہیں اسے مناسب طریقے سے ظاہر کرتے ہیں تو یہ فائدہ مند ہو سکتا ہے-

یاد رہے!!!

غصہ میں افراط و تفریط ہر وہ حالتیں ناپسندیدہ و نقصان دہ ہیں- امام غزالی علیہ الرحمہ اپنی مایہ ناز تصنیف "احیاء العلوم" میں اس حوالے سے تین اقسام بیان فرماتے ہیں:

1. قوت غصہ میں تفریط
2. قوت غصہ میں افراط
3. قوت غصہ میں اعتدال

(ان تینوں کی تفصیل کیلئے آئندہ قسط کا انتظار کریں)

☆☆☆

[5](الزواجر عن اقتراف الکبائر، ص:200،)

[6](صحیح مسلم، کتاب الصلوٰت، رقم الحدیث:1044)

اسلامی معاشرت کا حُسن تعلقِ رسول (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) میں پختگی

فکری خطاب: صاحبزادہ سُلطان احمد علی

سیکرٹری جنرل: اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین
خانوادۂ سُلطان العارفین حضرت سُلطان باھُو قدس اللہ سرّہٗ

(میلادِ مُصطفےٰ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) و حق باھو کانفرنس، کنونشن سنٹر، اسلام آباد، 20 جنوری 2019ء)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (قدس اللہ سرّہٗ) کے آستانہ عالیہ سے قائدما و مرشدما سرپرستِ اعلیٰ اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین حضرت سلطان محمد علی صاحب کی قیادت میں چلنے والی یہ جماعت نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیا کے کئی ممالک میں روحانی، اصلاحی اور تربیتی خدمات سرانجام دے رہی ہے جس کا بنیادی مقصد اپنی فکر و معاشرت، اپنے عمل اور اپنے آپ کی اصلاح کرنا ہے جسے اصلاحِ نفس بھی کہا جاتا ہے- اسی کے ساتھ ہمیں اپنے آپ کو اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ مصطفےٰ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) میں اس طرح خالص کرنا ہے کہ ہم اپنی فکر و عمل کے ساتھ اس راستے پر صحیح طور پر گامزن ہو جائیں جو راستہ ہمیں خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمدِ مصطفےٰ رحمت اللعالمین (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) کی سنت اور شریعت نے بتایا، دکھایا، سمجھایا اور سکھایا ہے- دین کی راہ بڑی عیاں اور واضح ہے، ہم سب پر یہ لازم ہے کہ اس راستے پر اپنے آپ کو گامزن عمل رکھنے کی کوشش کریں-

عموماً ہمارے ذہن میں یہ بحث اُجاگر ہوتی ہے کہ اسلام کیا ہے؟ دین کیا ہے؟ بزرگانِ دین کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ دین کی محض کوئی ایک جہت نہیں ہے جس سے کوئی بھی ایک جہت طے کر کے حتمیت اور قطعیت کے ساتھ کہہ دیا جائے کہ یہی دین ہے- اس لئے کہ صرف انسانی زندگی ہی نہیں بلکہ آفاقی زندگی کے جتنے بھی پہلو ہیں دین اس ہر پہلو کو محیط ہے- کیونکہ انسان اس کائنات کا جز ہے اور دین نے اس کائنات کے ہر پہلو کو بیان بھی کیا اور اس پر انسانی تعلق کی روشنی بھی عطا فرمائی ہے- لیکن جب یہ بات خاص کی جاتی ہے کہ دین کیا ہے؟ اس کا مقصود کیا ہے؟ ایمانیاتی نقطۂ نظر سے اِن سوالات کا محفوظ ترین جواب قرآن پاک میں ہے- جب ہم قرآن پاک میں غوطہ زنی کرتے ہیں تو دین کی بنیاد کے طور پہ دو دعوتیں نظر آتی ہیں جس کے گرد انسان کی پوری ایمانیاتی عمارت کھڑی ہے- قرآن انسان کی فکر و عمل کو درج ذیل مقصود کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ:

”وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا“[1]

”اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب اور رسول (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں“-

اسی آیت کی تائید میں مزید فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

”وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ“[2]

”اور جب ان سے کہا جائے آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) کی طرف کہیں ہمیں وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانیں نہ راہ پر ہوں“-

اِن دونوں آیاتِ مُبارکہ سے اِس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ دین کی بنیادی دو دعوتیں کتاب اللہ اور رحمت اللعالمین، خاتم النبیین محمد مصطفےٰ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) کی جانب رجوع کرنا ہے- یعنی پہلی دعوت ”إِلَى مَا أَنْزَلَ اللهُ“ اور دوسری ”وَإِلَى الرَّسُولِ“- اس کی وضاحت میں دو نکات بیان کرنا چاہوں گا؛ پہلا نکتہ یہ ہے

[1] (النساء:61)

[2] (المائدۃ:104)

کہ قرآن مجید نے دو دعوتوں کو بیان کرنے کے بعد منافقین کی روش و عادت کا بھی تعارف کروایا ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی جانب بلایا جاتا ہے تو وہ اللہ کی جانب تو آجاتے ہیں لیکن جب انہیں رسول اللہ (ﷺ) کی جانب بلایا جاتا ہے تو قرآن فرماتا ہے کہ: ’’رَأَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا‘‘، اے حبیب مکرم (ﷺ)! آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ (ﷺ) کی طرف آنے سے کتراتے ہیں-

دوسرا نکتہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر پورے اسلام کو ایک جامع اصطلاح میں بیان کرنا ہو تو وہ جامع اصطلاح ’’دعوت الی اللہ و دعوت الی الرسول‘‘ ہے- یہ دونوں دعوتیں انسان پر یہ واضح کرتی ہیں کہ جس قدر انسان پہ اطاعتِ قرآن لازم ہے اسی طرح خاتم النبیین (ﷺ) کی سنت کی اطاعت اور آپ (ﷺ) کی ذات گرامی سے پختہ و مضبوط تعلق کی استواری بھی لازم ہے؛ یہی بات قرآن مجید میں کئی مقامات پہ دِکھائی دیتی ہے:

’’وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ‘‘[3]

’’اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ (ﷺ) تمہارے لیے مغفرت طلب فرمائیں تو یہ (منافق گستاخی سے) اپنے سر جھٹک کر پھیر لیتے ہیں اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے (آپ (ﷺ) کی خدمت میں آنے سے) گریز کرتے ہیں‘‘-

یہ بیان بنیادی طور پر عبد اللہ بن اُبی مُنافق کے لئے ہے لیکن جب اس فرمان کو جنرل پیرائے میں دیکھا جاتا ہے اس سے منافقین کی کا طریق واضح ہوتا ہے جیسا کہ ابن اُبی نے کہا تھا کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں، زکوۃ بھی دیتا ہوں، دیگر احکامات بھی بجالاتا ہو تو کیا اب مَیں رسول اللہ (ﷺ) کے سامنے اپنی ناک اور اپنی پیشانی کو رگڑوں؟ اس لئے بقول قرآن جب انہیں آپ (ﷺ) کی طرف بلایا جاتا ہے تو اپنے چہروں کو موڑتے ہیں، تکبر اور گھمنڈ کرنے لگتے ہیں، ان کے اندر کی انا اور رعونت انہیں روکتی ہے- اگر باطنی نابینگی رکاوٹ نہ ہو تو وہ آپ (ﷺ) کے حضور حاضر ہو کر اپنے دین کو کامل کرلیں- حکیم الامت کی فکر بھی ہمیں اسی مقام کی جانب راغب کرتی ہے کہ:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بت کدۂ تصورات[4]

اصل روحِ دین محبت و عشقِ مصطفےٰ (ﷺ) ہے، حضور نبی کریم (ﷺ) کی جانب رجوع کرنا اور آپ (ﷺ) سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنا ہے کیونکہ اگر یہ عشق و محبت نہیں ہے تو شرع و دین بت کدۂ تصورات ہے جیسا کہ ابن اُبی منافق کی رَوِش سے واضح ہے-

دوسرے مقام پہ اقبال فرماتے ہیں کہ:

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بو لہبی است

’’اپنے آپ کو مصطفےٰ کریم (ﷺ) تک پہنچا دو کیونکہ سارے کا سارا دین آپ (ﷺ) ہیں اگر تم رسول اللہ (ﷺ) تک نہ پہنچے تو (تمہارا) سارے کا سارا عمل بولہبی یعنی (بے دینی) ہے‘‘-

جب قرآن میں غوطہ زنی کی جائے تو قرآن بھی توحیدِ باری تعالیٰ پہ ایقان و ایمان کے ساتھ سرکارِ دو عالم (ﷺ) کی جانب مائل و راغب کرتا ہے- الحمد سے والناس تک پورے قرآن میں یہ ترتیب ہے کہ جیسے قرآن نے زور ایمان بالتوحید پر دیا ہے اُسی طرح زور ایمان بالرسالت پر بھی دیا ہے- قرآن نے جس طرح معبودانِ باطلہ سے نجات دلائی، خفیف سے خفیف شرک کی بھی نفی کر کے مسلمان کے دل و دماغ سے اس کے وہم تک کو نکال کر توحید میں مسلمانوں کو خالص کیا- اسی طرح قرآن نے ایمان بالرسالت، اطاعتِ رسول، خاتم النبیّین (ﷺ) سے عشق اور ذاتِ محمدی (ﷺ) کی طرف رغبت دلائی ہے، کریم کملی والے سے تعلقِ قلبی میں پختہ سے پختہ تر ہونے کی ترغیب دی ہے- پورے قرآن میں یہ اسلوب ساتھ ساتھ چلتا نظر آتا ہے جس کی چند امثال پیش کرنا چاہوں گا:

’’يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ‘‘[5]

---

[3] (المنافقون:5)

[4] (بالِ جبریل)

[5] (النساء:136)

"اے ایمان والو! تم اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ"۔

سورہ الاعراف میں ایک مقام پہ ارشاد ہوتا ہے:

"فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ"[6]

"سو تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ جو (شانِ اُمیّت کا حامل) نبی ہے"۔

ایمان کی تقویّت ہو یا دعوتِ دین کا مقصود، یہ اِن دونوں جانب ایک ساتھ بلاتے ہیں کہ جس قدر انسان توحید باری تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو کر ایمان میں تقویت پاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایمان کی تقویت و برکت ذاتِ مصطفےٰ (ﷺ) کے تعلق میں رکھ دی ہے؛ اور جس طرح ایمان بالتوحید میں ناپختہ آدمی دین سے نابلد و نا آشنا ہے اُسی طرح ذاتِ مصطفےٰ (ﷺ) سے قلبی تعلق و محبت میں ناپختہ آدمی بھی دین سے دُور اور نا آشنا ہے- قرآنی فرامین کے مطابق اعمال بھی صرف اسی وقت کارگر ہوتے ہیں جب دِل شرک سے بھی پاک ہو اور ادب و تعلقِ رسول (ﷺ) میں خالص و پختہ ہو جائے-

قرآن پاک کی "سورہ زمر" میں بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص چاہے جتنا پارسا اور اچھے کام کرنے والا کیوں نہ ہو اگر وہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے شرک کرتا ہے تو اُس کے تمام اعمال برباد کر دیئے جائیں گے-

"لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ"[7]

"اگر تو نے شرک کیا تو یقیناً تیرا عمل برباد ہو جائے گا اور تُو ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا"۔

اِسی طرح "سورہ حجرات" میں بتایا گیا ہے کہ چاہے جتنے بھی اعمال کر رکھے ہوں، پارسائی و پرہیز گاری کے جتنے صحرا چھان رکھے ہوں، زہد و ریاضت کی چاہے جتنی چوٹیاں سر کر رکھی ہوں لیکن اگر لب و لہجے میں رسول اللہ (ﷺ) کا ادب نہیں ہے تو تمام اعمال برباد کر دیئے جائیں گے- جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝"

"اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبیٔ مکرّم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ہی غارت ہو جائیں اور تمہیں شعور تک بھی نہ ہو"۔

اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے کے آداب سکھائے ہیں کہ جب میری بارگاہ میں آؤ یا مجھ سے کلام کرو یا میرے سامنے سجدہ ریز ہو یا میرا ذکر یا میری تسبیح بیان کرو تو اپنی آواز اور لب و لہجہ کو مؤدّب کر لو، فرمایا:

"وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۝"[8]

"اور اپنے رب کا اپنے دل میں ذکر کیا کرو عاجزی و زاری اور خوف و خستگی سے اور میانہ آواز سے پکار کر بھی، صبح و شام (یادِ حق جاری رکھو) اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ"۔

پھر سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کی بارگاہ کے آداب سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم نے اُن لوگوں کے دل تقویٰ کیلئے چُن لئے ہیں جنھوں نے میرے حبیب (ﷺ) کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کر لیا ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ۝"[9]

"بے شک جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کی بارگاہ میں (ادب و نیاز کے باعث) اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں،

---

[6](الاعراف:158)

[7](الزمر:65)

[8](الاعراف:205)

[9](الحجرات:2-3)

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کیلیے چُن کر خالص کر لیا ہے- ان ہی کیلیے بخشش اور اجرِ عظیم ہے"-

یاد رکھیں! بدن کا تقویٰ ارکانِ اسلام یعنی کلمہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی میں ہے؛ مگر قلب کا تقویٰ ادب و تعظیمِ مصطفےٰ (ﷺ) میں ہے- بقول عزت بخاری:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

"آسمان کے نیچے ایک ایسی ادب گاہ (روضہ رسول (ﷺ) ہے جو عرش سے بھی زیادہ نازک ہے کہ یہاں حضرت جنید بغدادی اور حضرت بایزید بسطامی (رحمۃ اللہ علیہ) جیسی عظیم ہستیاں بھی سانس روک کر آتی ہیں"-

قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کریمہ اور اپنے اسماء حسنیٰ کا موضوع پھیلا کر بیان کیا ہے مثلاً کہیں سورۃ الحشر میں، کہیں آیت الکرسی میں، کہیں سورۃ اخلاص میں، کہیں سورۃ الحدید میں، کہیں سورۃ الملک اور سورۃ الرحمٰن میں- یعنی مختلف مقامات پہ پھیلا کر اپنی تمام صفات کا تصور بیان کیا ہے- اسی طرح صفات و کمالاتِ مصطفوی (ﷺ) کو سورۃ کوثر میں، سورۃ الم نشرح میں، سورۃ والضحیٰ میں، سورۃ الفتح میں، سورۃ الحجرات میں اور کہیں سورۃ الاحزاب میں- یعنی پورے قرآن میں ہر جگہ اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم (ﷺ) کی صفات کو پھیلا کر بیان کیا ہے- اس لئے کہ جہاں سے بھی قرآن کریم کو پڑھا جائے ہمارا تعلق اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے استوار ہو کر پختہ ہوتا جائے-

قرآن کریم میں بڑے کمال کے مقامات ہیں جو قرآن کا یہ اسلوبِ بیان ہم پر واضح کرتے ہیں- مثلاً ایک بیان سورۃ الحشر کے اختتام میں ہے اور ایک بیان سورہ الاحزاب کے وسط میں آتا ہے:

"هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ o هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ"[10]

"وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، (حقیقی) بادشاہ ہے، ہر عیب سے پاک ہے، ہر نقص سے سالم (اور سلامتی دینے والا) ہے، امن و امان دینے والا (اور معجزات کے ذریعے رسولوں کی تصدیق فرمانے والا) ہے، محافظ و نگہبان ہے، غلبہ و عزّت والا ہے، زبردست عظمت والا ہے، سلطنت و کبریائی والا ہے، اللہ ہر اُس چیز سے پاک ہے جسے وہ اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں- وہی اللہ ہے جو پیدا فرمانے والا ہے، عدم سے وجود میں لانے والا (یعنی ایجاد فرمانے والا) ہے، صورت عطا فرمانے والا ہے- (الغرض) سب اچھے نام اسی کے ہیں، اس کے لیے وہ (سب) چیزیں تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ بڑی عزت والا ہے بڑی حکمت والا ہے-

جس طرح "سورۃ الحشر" میں قرآن نے صفات باری تعالیٰ کو ایک روانی اور حلاوت آمیز انداز میں بیان کیا ہے اسی طرح سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کی صفات کا ذکر کیا ہے:

"يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا o وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا o وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا"[11] o

"اے نبیِّ (مکرّم!) بے شک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوشخبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے) اور اہلِ ایمان کو اس بات کی بشارت دے دیں کہ ان کیلیے اللہ کا بڑا فضل ہے"-

قرآن کا اسلوب و مقصود یہ ظاہر کرتا ہے کہ جس طرح محبت و شدت کے ساتھ مسلمانوں کو تعلق باللہ کی ضرورت ہے اسی طرح تعلق بالرسول کی بھی ضرورت ہے-

یہ وہ نکات ہیں کہ بعض دفعہ انسان کی زبان بیان کرتے کرتے کسی مقام پر رُک جاتی ہے، یہ ایمان کی وہ نزاکتیں، باریکیاں اور لطافتیں ہیں جن کا بیان خود بیان پہ لرزہ طاری کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ:

[10](الحشر:23-24)

[11](الاحزاب:45-47)

حقیقت یہ ہے جامۂ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ، گفتار زنگ
فروزاں ہے سینے میں شمعِ نفس
مگر تابِ گفتار کہتی ہے بس
اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم[12]

بعض دفعہ یہ حقیقت بیان کرتے ہوئے خوف طاری ہو جاتا ہے کہ ہمارے الفاظ کا چناؤ کہیں حقیقت کے آئینے پر زنگ نہ چڑھا دے کیونکہ یہ اتنی واضح اور روشن ہے جس کو جتنا محسوس کیا جاسکتا ہے اتنا بیان نہیں کیا جاسکتا-

مگر ازروئے عقیدہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اِس سے پہلے جو آیات پیش کیں یا اِس کے بعد جن بعض مقامات پہ بات ہو گی وہ تقابل و موازنہ نہیں ہے کیونکہ اللہ پاک خالق ہے جس نے آقائے دو عالم (ﷺ) کو پیدا فرمایا ہے، اِس لئے خالق و مخلوق میں تقابل و موازنہ تو ہو سکتا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ اپنی قدرتوں پہ بلا شرکتِ غیرے قادر ہے اور آقا کریم (ﷺ) کو یہ شانیں اور عظمتیں اللہ عزوجل نے عطا فرمائی ہیں- قرآن کریم کے اِن مقامات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) اللہ تعالیٰ کی صفات اور انوار کے مظہر کامل ہیں- قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پہ نہیں بلکہ کئی مقامات پہ اپنی صفات کے مظہرِ اَتم کے طور پہ اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کی ذات گرامی کو پیش کیا ہے- قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں بھی ’’رؤف و رحیم‘‘ کو بیان فرمایا اور حبیبِ دو عالم (ﷺ) کی صفات میں بھی ’’رؤف و رحیم‘‘ شامل فرمایا ہے- مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج میں فرمایا:

’’اِنَّ اللہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ o‘‘[13]

’’بے شک اللہ تمام انسانوں کے ساتھ نہایت شفقت فرمانے والا بڑا مہربان ہے‘‘-

اب سورۃ توبہ میں ملاحظہ فرمائیں:

’’لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ‘‘[14]

’’بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے- تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے- (اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزو مند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں‘‘-

قرآن مجید میں صراطِ مُستقیم پہ ہدایت عطا کرنے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بھی فرمایا اور اِس کا ذکر اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کے لئے بھی فرمایا- مثلاً:

’’قُلْ لِّلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ط یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ o‘‘[15]

’’آپ (ﷺ) فرما دیں: مشرق و مغرب (سب) اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر ڈال دیتا ہے-

اپنے حبیب مکرم کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

’’وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ o‘‘[16]

’’اور بے شک آپ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں‘‘-

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حاکم ہونے کا اعلان فرمایا کہ وہ بلا شرکتِ غیرے اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ اس کائنات کا حاکمِ اعلیٰ ہے- اُس کی حاکمیّت میں کوئی اس کا ہمسر و شریک نہیں ہو سکتا:

’’اَلَیْسَ اللہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ‘‘[17]

’’کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے‘‘-

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم (ﷺ) کو صفتِ حاکمیت سے متصف فرمایا ہے-

’’فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا‘‘[18]

’’پس (اے حبیب (ﷺ)!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان

[12](بالِ جبریل)
[13](الحج:65)
[14](التوبہ:128)
[15](البقرۃ:142)
[16](الشوریٰ:52)
[17](التین:8)
[18](النساء:65)

واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ (ﷺ) کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرمادیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں"-

اسی طرح اللہ پاک نے قرآن مجید میں اپنے لئے اِس صفت کا اظہار فرمایا کہ وہ جسے چاہے اپنے فضل سے پاک اور سُتھرا کر دے-اپنے حبیب پاک (ﷺ) کو بھی اِس صفت سے متصف کرنے کا اعلان فرمایا-سورہ النور میں بتایا کہ "پاک و ستھرا" اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے:

"وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ"[19]

"اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص بھی کبھی (اس گناہِ تہمت کے داغ سے) پاک نہ ہو سکتا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک فرما دیتا ہے، اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے"-

قرآن پاک میں کئی مقامات پہ ارشاد ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) بھی پاک فرماتے ہیں؛ جیسا کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

"هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ"[20]

"وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (با عظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا وہ اُن پر اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور اُن (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں بے شک وہ لوگ اِن (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"-

قرآن مجید میں غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اتنے بُلند رُتبے عطا کئے ہیں جہاں انسان کی عقل رسائی حاصل کرنے سے قاصر ہے، اِس لئے حضور اکرم (ﷺ) سے تعلق کیلئے عقل کے ساتھ عشق کی ضرورت ہے- جیسا کہ اقبال صاحب نے فرمایا ہے کہ:

وہ پرانے چاک جن کو عقل سی سکتی نہیں
عشق سیتا ہے انہیں بے سوزن و تارِ رفو

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب (ﷺ) کی شانوں اور عظمتوں کی کوئی حد نہیں رکھی، کوئی کنارہ نہیں رکھا بلکہ کُل جہانوں اور کُل کائناتوں پہ آپ (ﷺ) کے دائرۂ رحمت کو پھیلا دیا ہے- قرآن پاک بتاتا ہے کہ اللہ رب العزت کی ربوبیّت کل جہانوں کیلئے ہے اور محمدِ مصطفےٰ احمدِ مجتبےٰ (ﷺ) کی رحمت بھی کُل جہانوں کیلئے ہے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"[21]

"سب تعریفیں اللہ ہی کیلیے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے"-

یعنی عالمین میں جو کچھ بھی ہے؛ یہ کہکشان جس کی وسعت اتنی ہے کہ اس کا شمار کرنا بھی انسانی عقل کے لئے تا حال محال ہے حالانکہ وہ عالمین میں سے ایک پورا عالم بھی نہیں ہے بلکہ اس کُل کائنات کا ایک چھوٹا حِصہ ہے- اس لئے دنیا کے ایک جہان میں نہیں بلکہ جتنے بھی جہاں ہیں جن کا انسانی عقل نے ادراک کیا ہے، یا کرے گی، یا جو اس کی عقل سے ماوراء بھی ہیں ان میں سے کسی مقام پہ بھی کوئی شے یا کوئی ذرہ پَل رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ہی ربوبیت ہے کیونکہ وہ تمام عالمین کا رب ہے- اسی طرح اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کو جو شانِ رحمت عطا کی اُس کی وُسعت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"[22]

"اور (اے رسولِ محتشم (ﷺ)!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر"-

خدا کی خدائی جہاں تک ہے محمد مصطفےٰ (ﷺ) کی رحمت وہاں تک ہے- یعنی جہاں کسی بھی چیز کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے پلتا ہوا دیکھو وہاں یہ یقین رکھو کہ وہ چیز امن میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کو عطا کی گئی رحمت کے ذریعے اس کو امن عطا فرمایا ہے- جس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی کوئی حد نہیں ہے اسی طرح حضور رسالت مآب (ﷺ) کی شانِ رحمت کی بھی کوئی حد نہیں ہے- اس لئے جب بھی حضور

---

[19](النور:21) [20](الجمعۃ:2) [21](الفاتحۃ:1) [22](الانبیاء:107)

نبی کریم (ﷺ) کی شانِ اقدس کا ادراک کیا جائے تو بقول مولانا رُومی (رحمۃ اللہ علیہ):

عقل قرباں کن بہ پیش مصطفےٰ

"عقل کو مصطفےٰ کریم (ﷺ) کے سامنے قُربان کر دے"۔

جہاں مولائے رُوم (رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ بات فرمائی ہے وہ سارا مقام قابلِ مُطالعہ ہے- مثنوی شریف دفتر چہارم میں ہے- اِسی مضمون کے چند اشعار پیش کرتا ہوں:[23]

(۱) داند آں کو نیک بخت و محرم است
زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است
(۲) زیرکی آمد سباحت در بِحار
کم رہد غرق است او پایانِ کار
(۳) عشق چوں کشتی بَود بہرِ خواص
کم بود آفت، بود اغلب خلاص
(۴) زیرکی بفروش و حیرانی بخر
زیرکی ظن است و حیرانی نظر
(۵) عقل قُرباں کُن بہ پیشِ مُصطفےٰ
حسبی اللّٰہ گو کہ اللّٰہ ام کفیٰ
(۶) ہم چوں کنعاں سَر ز کشتی وا مکش
کہ غرورش داد نفس زیر کش
(۷) عقل را قُرباں کُن اندر عشقِ دوست
عقل ھا بارے ازاں سویست کوست

"(۱) ہر خوش نصیب و صاحبِ راز آدمی یہ جانتا ہے کہ عقل پرستی شیطان کا اور عشق آدم کا شیوہ ہے-(۲) عقل پرستی سمندروں میں تیرنا ہے عقل پرست نجات نہیں پاتا بلکہ ڈوب جاتا ہے-(۳) (اس کے مدِ مقابل) عشق خاصانِ خُدا کیلئے کشتی کی حیثیت رکھتا ہے اِس میں ڈوبنے کا خدشہ کم اور نجات یقینی ہوتی ہے-(۴) عقل پرستی کو بیچ دے (اس کے عِوض) عشق خرید لے، عقل پرستی گمان ہے جبکہ عشق مشاہدۂ یقین ہے-(۵) عقل کو (حضرت محمدؐ) مصطفےٰ (ﷺ) پہ قربان کر دے حسبی اللہ کہہ دے کہ اللہ مجھے کافی ہے-(۶) (سیّدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے) کنعان کی طرح (عشق کی) کشتی سے باہر نہ نکل، کیونکہ اُس کو بھی نفس کی عقل پرستی نے دھوکہ دیا تھا-(۷) محبوب کے عشق میں عقل کو قُربان کر دے بہر حال! عقلیں بھی اُس جانب کی ہیں جس کا وہ ہے"-

اِس لئے عقل بیچ دے، قربان کر دے اور اِس کے بدلے عشق حاصل کر لے کیونکہ عشق کی کشتی گہرے سمندروں میں ڈوبتی نہیں جو عشق کی کشتی سے سر نکالتا ہے وہ کنعان کی طرح ہلاکتوں میں مبتلا ہوتا ہے- کیونکہ عقل محدود ہے اور حضور نبی کریم (ﷺ) کی شانِ گرامی اور عظمت و بزرگی لامحدود ہے- عقل قلیل ہے اور حضور نبی کریم (ﷺ) کی شان و عظمت کثیر ہے اور قلیل کثیر کا ادراک کرنے سے قاصر ہے- لہٰذا جب بھی آقا کریم (ﷺ) کی ذات اقدس کی شان کی معرفت کرو یا اُن سے اپنا تعلق استوار کرنے لگو تو اپنی عقل کی محدودیت سے نہیں بلکہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی شان کی لامحدودیت سے کرو-

قرآن مجید میں ایک اور رمز بڑی انوکھی ہے- بندے اور مولا کی قُربت کو قرآن نے بیان فرمایا ہے، ایک مقام پہ اُمتی اور نبی کی قربت کو بھی بیان فرمایا ہے- اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ"[24]

"اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں"-

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو! تم جہاں بھی، کہیں بھی، کیسے بھی ہو یہ گمان رکھو کہ تمہارے ہر لمحہ و ہر بات میں میری قدرت شامل ہے- اسی طرح جب سرکارِ دو عالم (ﷺ) سے بندۂ مومن کے تعلق کی بات آئی تو ارشاد فرمایا:

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ"[25]

"یہ نبیّ (مکرم (ﷺ)) مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں"-

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی اپنی توحید کی دعوت و رغبت دلائی ہے وہاں رسالت مآب خاتم النبیین (ﷺ) کی محبت اور آپ (ﷺ) سے اپنے تعلق کو جوڑنے کی دعوت و رغبت دلائی ہے- اس لئے جو دین اسلام و قرآن کی دعوت ہے وہ "دعوت الی اللہ" بھی ہے اور "دعوت الی الرسول" بھی- بندے کے لئے لازم ہے کہ جس طرح وہ بندگیٔ باری تعالیٰ میں اپنے آپ کو پختہ کرے اسی طرح وہ عشق اور نسبتِ مصطفےٰ (ﷺ) میں اپنے آپ کو پختہ کرے- بقول اقبال:

[23] (مثنوی شریف، دفتر چہارم)
[24] (ق:16)
[25] (الاحزاب:6)

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

محبت و عشقِ مصطفےٰ (ﷺ) پہ آکر بندے کے ایمان کا فیصلہ ہوتا ہے کہ کس قدر اس کے وجود میں حرارتِ ایمانی کی تپش جاگزین ہوئی ہے اور کس قدر اس کے مشامِ جان کو نورِ ایمان نے منور کیا ہے-

اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو اپنی کتاب کے ذریعے واضح کیا اور قرآن مجید میں اس کا اتنا وسیع مضمون ہے کہ جس کا بیان ہی نہیں کیا جاسکتا-جو عمومی طور پہ کہا جاتا ہے کہ:

"فَفِرُّوْٓا اِلَی اللہِ"[26] "پس دوڑو اللہ کی طرف"-

اکثر اہل نظر و اہل فکر یہی کہتے ہیں کہ اس دعوت سے مراد یہی ہے کہ بندہ اللہ کی بندگی و رضا کی طرف دوڑے لیکن جو آدمی حلقہ بگوش اسلام نہیں ہے، پیغمبر اسلام (ﷺ) کی صداقت و عظمت پہ یقین نہیں رکھتا تو وہ جتنا مرضی دوڑ لے، اسے جب بھی ہدایت میں کمال و نور کا مرتبہ نصیب ہوگا وہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی نسبت پاکر ہی نصیب ہوگا-جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ"[27]

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول (ﷺ) تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی"-

اس میں "اِذَا دَعَاکُمْ" کا عنوان دیا گیا ہے-جب اس میں غور کریں تو "دَعَا" فعل ماضی واحد مذکر ہے جس میں "ھُوَ" ضمیر پوشیدہ ہے جو واحد کے لئے استعمال ہوتی ہے اور یہ ایک ذات، ایک شخص، یا ایک ہستی کے اوپر دلالت کرتی ہے جبکہ قرآن کریم کا بیان یہ ہے کہ "اسْتَجِیْبُوْا لِلہِ وَلِلرَّسُوْلِ"- گویا جو حضور نبی کریم (ﷺ) کا بلانا ہے وہ اللہ کا بلانا ہے-

اِس کی تائید میں ترمذی شریف کی ایک حدیث پاک بھی ہے جسے خطیب تبریزی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی مشکوٰۃ شریف میں بیان کیا ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے طائف کی جنگ کے دن حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو بلایا اور ان سے سرگوشی فرمائی تو لوگوں نے کہا کہ آج آپ (ﷺ) نے اپنے چچازاد کے ساتھ کافی دیر تک سرگوشی فرمائی ہے تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ (ﷺ): مَا انْتَجَیْتُہٗ وَلٰکِنَّ اللہَ انْتَجَاہُ[28]

"میں نے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ پاک نے خود ان سے سرگوشی فرمائی ہے"-

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث پاک نقل فرمانے کے بعد اِس کے معنیٰ پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وَ مَعْنٰی قَوْلِہٖ وَلٰکِنَّ اللہَ انْتَجَاہُ یَقُوْلُ اِنَّ اللہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَنْتَجِیَ مِنْہُ"

"اللہ تعالیٰ کی سرگوشی کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان سے سرگوشی کی ہے"-

اِس کی تائید میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیo اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیo"[29]

"اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے-اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہے"-

یعنی حبیب مکرم (ﷺ) اس وقت تک کلام ہی نہیں فرماتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ان کے قلب اقدس پہ نازل نہ ہوجائے-یعنی حضور اکرم (ﷺ) کا ہر قول وحیٔ الٰہی ہونے کے ناطے قولِ خُداوندی ہے-

مزید دوسرے مقام پہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ"[30]

"اور اللہ و رسول (ﷺ) کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے"-

---

[26] (الذاریات:50)

[27] (الانفال:24)

[28] (سنن الترمذی، ابواب المناقب، مشکوۃ المصابیح کتاب المناقب، جامع الاصول امام ابن اثیر، ج:8، ص:495)

[29] (النجم:3-4)

[30] (التوبہ:62)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا ذکر مبارک کیا گیا ہے یعنی دو ہستیوں کا-جو آدمی بھی عربی زبان سے بنیادی آشنائی بھی رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ عربی زبان میں وسعت ہے- جس طرح اردو اور فارسی میں واحد اور جمع ہے عربی زبان میں واحد، تثنیہ اور جمع ہے- عموماً ہر آدمی یہ قاعدہ جانتا ہے کہ "کَ، کُمَا، کُمْ" اور "ھُوَ، ھُمَا، ھُمْ"، واحد، تثنیہ اور جمع کیلئے بولا جاتا ہے- یعنی ایک کے لئے "ھُوَ"، دو کے لئے "ھُمَا" اور دو سے زائد کیلئے "ھُمْ" آتا ہے-

"وَاللہُ وَ رَسُوْلُہٗٓ" اللہ اور اس کا رسول یہ دونوں "اَحَقُّ" اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ "اَنْ یُّرْضُوْہُ" ان کی ایک رضا کو حاصل کیا جائے یہاں "ہُ" ضمیر ہے جو کہ واحد پر دلالت کرتی ہے جس کا معنی یہ ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) مؤمنین کیلئے زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان کی ایک رضا کو حاصل کیا جائے- گویا رضائے مصطفےٰ (ﷺ) رضائے پروردگار ہے اور رضائے پروردگار رضائے مصطفےٰ (ﷺ) ہے- یہ دو الگ الگ رضائیں نہیں ہیں جس سے حضور پاک (ﷺ) راضی ہو گئے اس سے اللہ پاک راضی ہو گیا اور اللہ پاک جس سے راضی ہوا اس سے حضور پاک (ﷺ) راضی ہو گئے- اسی چیز کی تائید اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب کے دیگر فرامین سے بھی ہوتی ہے- جیسا کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ"[31]

"جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی"-

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات میں پھیلا کر اس مضمون کو بیان کیا ہے تاکہ لوگوں میں یہ بات راسخ و مستحکم ہو جائے کہ جس نے اطاعتِ مصطفےٰ (ﷺ) کی اس نے اطاعتِ خدا کی- جس نے حضور (ﷺ) کی رضا کو حاصل کیا اس نے اللہ کی رضا کو حاصل کیا اور جس نے حضور نبی کریم (ﷺ) سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی- علامہ اقبال (رحمۃ اللہ علیہ) اسی مقام کی وضاحت شاہ منصور حلاج کی زبان سے کلام کرتے ہوئے "جاوید نامہ" میں فرماتے ہیں کہ:

مدعا پیدا نگردد زین دو بیت
تا نہ بینی از مقام "ما رمیت"

"ان دو بیت سے بات واضح نہیں ہوتی جن تک تو مقام "مَا رَمَيْتَ" کو نہ سمجھے"-

یعنی آقا کریم (ﷺ) کی شانِ اقدس کو عام کلام اور شعر و شاعری کی فصاحت و بلاغت سے نہیں سمجھا جا سکتا جب تک حضور نبی کریم (ﷺ) کی شان کو قرآن کے فرمان "مَا رَمَيْتَ" سے نہ سمجھا جائے-

"وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"[32]

"اور (اے حبیب محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے"-

اس لئے عزیزان گرامی! اپنے ذہن میں اس بات کو پختہ کر لیں آقا کریم (ﷺ) کی تعظیم و تکریم کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا ہے- کیونکہ قرآن ہمیں دو دعوتوں کی جانب رغبت دلاتا ہے؛ دعوت الی اللہ اور دعوت الی الرسول- اس لئے ان دعوتوں کے متعلق اگر کسی کے ذہن میں کوئی شک و وسوسہ ڈل گیا تو وہ اپنے ایمان کی کمزور ترین سطح پر آ پہنچا یہاں تک کہ نفاق کا شکار ہو گیا- اس لئے قرآن یہ نسخہ بتاتا ہے کہ وسوسوں سے بچو اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہو- فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ o مَلِكِ النَّاسِ o اِلٰهِ النَّاسِ o مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ o الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ o مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ"[33]

"آپ (ﷺ) فرما دیں کہ میں (سب) انسانوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں جو (سب) لوگوں کا بادشاہ ہے جو (ساری)

[31](النساء:80) [32](الانفال:17) [33](سورۃ الناس)

نسل انسانی کا معبود ہے وسوسہ انداز (شیطان) کے شر سے جو (اللہ کے ذکر کے اثر سے) پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والا ہے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ وہ (وسوسہ انداز شیطان) جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے"۔

یاد رکھیں! وسوسہ سینے میں ہوتا ہے جس کا تعلق آپ کے ایک چھپے ہوئے پہلو سے ہے جو چشمِ بصارت سے نہیں چشم بصیرت سے دیکھا جاتا ہے۔بصارت کا تعلق ظاہری آنکھ سے اور بصیرت کا تعلق باطنی آنکھ سے ہے۔اس لئے وسوسے انسان کے وجود میں پوشیدہ ہوتے ہیں جنہیں شناخت کرکے ان سے چھٹکارا پاتے رہنا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اوپر لازم کیا ہے۔شیوخ عظام نے ان وسوسوں کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ شیطان بنیادی وسوسہ بندے کے ایمان کے متعلق پیدا کرتا ہے تاکہ بندے کا ایمان متزلزل ہو جائے۔کیونکہ جب ایمان متزلزل ہو جاتا ہے تو شیطان کے لئے بندے کو گمراہ کرنے کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔جب تک ایمان قوی و پختہ ہے اس پر کبھی شیطان کا وار کارگر ثابت نہیں ہو سکتا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر گمان کے پیچھے نہ پڑ جایا کرو کیونکہ بعض گمان تمہارے لئے گناہ کا درجہ رکھتے ہیں جو تمہیں گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔اس لئے سرکارِ دو عالم (ﷺ) کی ذات گرامی کے متعلق اپنے دل و دماغ کو ہر طرح کے وہم اور وسوسوں سے محفوظ رکھو۔

آپ (ﷺ) کی عظمتوں اور رِفعتوں کی کوئی حد ہے ہی نہیں جس کو زبان سے بیان کیا جا سکے۔اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اللہ پر بھی ایمان لاؤ اور اس کے حبیب مکرم (ﷺ) پر بھی ایمان لاؤ۔اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی کرو اس طرح اس کے حبیب کی بھی اطاعت کرو۔جس طرح اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت میں اپنے آپ کو خالص و پختہ کرتے ہو اسی طرح میرے حبیب (ﷺ) سے محبت و عشق اور تعلق میں بھی اپنے آپ کو پختہ اور خالص کر لو۔

مندرجہ بالا گفتگو کا تعلق تو ایمان و عقیدہ سے تھا لیکن اب ایک گزارش کرنا چاہوں گا جس کا تعلق ہماری معاشرتی اصلاح سے ہے کیونکہ دین میں سماج و معاشرت کو بے پناہ اہمیت حاصل ہے۔اللہ تعالیٰ کا ایک نظمِ قدرت ہے مثلاً جس طرح ریاست ہوتی ہے اس کا اپنا ایک ریاستی نظم ہوتا ہے جو کہ قوانین کے ذریعے قائم ہوتا ہے تاکہ کوئی آدمی حد سے تجاوز نہ کرے۔یعنی اپنے درمیان ایک خوبصورتی پیدا کر لے۔یہی نظم قرآن مجید میں کئی احکامات کی ذیل میں آتا ہے کہ قرآن جو سماج اور معاشرت کے اصول طے کرتا ہے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ کے درمیان ایک حسنِ معاشرت و سماجی خوبصورتی پیدا ہو جائے۔دوئی اور ٹوٹنے کا عمل قربت و محبت میں تبدیل ہو کر پختہ ہو جائے۔کیونکہ کسی بھی زاویہ نگاہ سے قرآن میں غوطہ زنی کی جائے وہ دوری و نفرت کے عمل کو ختم کرکے سماج میں محبت اور قربت کا عمل پیدا کرتا ہے۔

حتیٰ کہ قرآن مجید نے ہمارے خاندانی ڈھانچہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ حکمتوں کو واضح طور پہ بیان کیا ہے کہ کیسے زمانہ قدیم سے اللہ تعالیٰ نے جو انبیاء و رسل بھیجے، ان پہ جو صحیفے، وحی اور کتابیں نازل ہوئیں، انہوں نے جو معاشرت تشکیل دی آج تک ہماری معاشرت کا وہی اسلوب چل رہا ہے جسے ancientman society کہا جاتا ہے۔عہدِ جدید کے انتھرو پالوجسٹ بھی اِس بات کے قائل ہیں کہ جدید انسان کی سماجی زندگی کے اکثر اعلیٰ اصول قدیم زمانوں ہی میں قائم ہو گئے تھے، ایمانیاتی نکتۂ نظر سے اس کی یہی توجیہ سمجھ آتی ہے کہ یہ اعلیٰ اصول یقیناً اللہ پاک کی طرف سے اُتارے گئے صحائف و ادیان ہی سے قائم ہو سکتے ہیں۔

اب آئیں ایک اہم سوال کی طرف، جسے ہم کنبہ و قبیلہ کہتے ہیں اس چیز کی سماج میں کیا اہمیت ہے؟ اور یہ کیسے آپس میں ایک دوسرے کو جوڑتا ہے؟

قرآنی نکتہ نگاہ سے کنبہ بنیادی طور پہ تین حصوں میں تقسیم ہے اور ان تینوں حصوں کو توازن کے ساتھ لے کر چلنا بندے کا حسنِ معاشرت اور اعتدال طبیعت کہلاتا ہے۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا"[34]

"اور وہی ہے جس نے پانی (کی مانند ایک نطفہ) سے آدمی کو پیدا کیا پھر اسے نسب اور سُسرال (کی قرابت) والا بنایا اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے"-

اس میں بنیادی تین چیزیں ہیں جن میں دو چیزوں کا تعلق نسب ہے-ایک دادیال کہلاتا ہے، دوسرا نانیال اور تیسرا سُسرال- نسب میں والد اور والدہ دونوں کا نسب شامل ہوتا ہے اور سُسرال سے اولاد کا نسب قائم ہوتا ہے-اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے انسان کو ایک ایسی ہدایت عطا کی جس میں جنگلی جانوروں، درندوں اور وحشیوں کی معاشرت سے بنی نوع انسان کی معاشرت کو ممتاز اور منفرد فرما کر انسانی عظمتیں اور حرمتیں عطا فرما دیں-

امام جلال الدّین سیوطی (رحمۃ اللہ علیہ) "تفسیر الدر المنثور" میں اور امام ابن ابی حاتم (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہ (رضی اللہ عنہ) کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

"ذَكَرَ اللهُ الصِّهْرَ مَعَ النَّسَبِ وَحَرَّمَ أَرْبَعَ عَشْرَةَ امْرَأَةً: سَبْعًا مِّنَ النَّسَبِ وَسَبْعًا مِّنَ الصِّهْرِ، وَاسْتَوَى تَحْرِيْمُ اللهِ فِي النَّسَبِ وَالصِّهْرِ"

"اللہ پاک نے نسب کو سسرال کے ساتھ ذکر فرمایا: اور چودہ (قسم) کی عورتوں کو مرد پر حرام کیا ہے، سات نسب میں سے اور سات سسرال میں سے، پس اللہ تعالیٰ نے "نَسَبًا وَّ صِهْرًا" میں حرمت کو برابر کر دیا ہے"-

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نسب قائم ہوتے ہی 14 عورتوں کی حرمت قائم کر دی جن میں سات نسب سے اور سات سسرال سے تعلق رکھتیں ہیں-اس کے علاوہ مزید اعدادِ حرمت میں فقہاء اور بعض محدثین نے اختلاف کیا ہے- اس اختلاف یا اس مسئلہ کی باریکی میں جانا مقصود نہیں- مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں سسرال کی اہمیت کو نسب کے ساتھ اس لئے بیان کیا ہے کہ انسان کے شجرہ کا تسلسل سسرال کے ذریعے قائم ہوتا ہے- قرآن مجید یہ حکمت اور تدبر و بصیرت سکھاتا ہے کہ جس طرح اپنے نسب کی قدر لازم ہے اسی طرح اس میں اس رشتے سے بھی تعلق لازم ہے جو آپ کے نسب کے تسلسل کا ذریعہ بنتا ہے-لیکن بندے کے لئے ان دونوں میں اعتدال لازم ہے تاکہ بندہ اپنے نسب میں اتنی شدت میں نہ چلا جائے کہ جو دوسرا رشتہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ (ﷺ) کی شریعت کے قول و اقرار سے قائم کرتا ہے ٹوٹنے لگ جائے-اسی کے برعکس نہ دوسری طرف اتنی شدت اختیار کر جائے کہ جن کے ذریعے سے اللہ نے آپ کو زندگی و تولد بخشا اس رشتے کے ساتھ آپ منقطع ہو جائیں-سادہ لفظوں میں یہ کہ نہ ماں باپ کی وجہ سے اپنے سسرال کو چھوڑے اور نہ ہی سسرالیوں کی وجہ سے ماں باپ چھوڑے-اسلام میں خانگی پہلو میں حسن معاشرت اسی وقت کہلایا جاتا ہے جب ان دونوں رشتوں کو اعتدال و توازن کے ساتھ نبھایا جائے-

لہٰذا! ہم پر لازم ہے کہ ہم سماج میں دوریاں اور کٹنے کے عمل کو ختم کر کے محبت و قربت کے عمل کو فروغ دیں- بالخصوص! ہمارے ملک کے جتنے بھی بڑے شہر ہیں جیسے اسلام آباد، لاہور، کراچی، پشاور، ان میں ہم کئی ایسے لوگوں کو جانتے ہیں جو ان شہروں میں معاش کے لئے یا کسی ذریعہ سے آباد ہوتے ہیں؛ اس کے بعد ان کی اولاد کا اپنے نسب سے، اپنے والد اور آباؤ اجداد کے نسب سے جو رشتہ ہے وہ ایک دو جنریشن کے بعد مکمل طور پر منقطع ہو جاتا ہے- جبکہ قرآن اس نسب کے ساتھ تعلق داری کو حسن معاشرت بھی کہتا ہے اور ذریعہ نجات بھی- اس لئے ہم چاہے جس منزل و مقام پہ پہنچ جائیں، ہم اپنے سماج و معاشرے کی جس روش کے ساتھ چل رہے ہیں، اس حسن معاشرت کو قائم رکھنا نہ صرف ہماری اخلاقی و معاشرتی

[34](الفرقان:54)

ذمہ داری ہے بلکہ یہ ہماری روحانی اور دینی ذمہ داری بھی ہے جس کو قرآن نے بیان کیا ہے-جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

"وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْءَ الْحِسَابِ"[35]

"اور وہ کہ جوڑتے ہیں اسے جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا اور اپنے رب سے ڈرتے اور حساب کی برائی سے اندیشہ رکھتے ہیں"-

علامہ ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی (المتوفی: 710ھ) اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ مِنَ الْأَرْحَامِ وَالْقَرَابَاتِ وَيَدْخُلُ فِيْهِ وَصْلُ قَرَابَةِ رَسُوْلِ اللهِ (ﷺ) وَقَرَابَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ الثَّابِتَةُ بِسَبَبِ الْإِيْمَانِ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ بِالْإِحْسَانِ إِلَيْهِمْ عَلٰى حَسْبِ الطَّاقَةِ وَنُصْرَتِهِمْ وَالذَّبِّ عَنْهُمْ وَالشَّفْقَةِ عَلَيْهِمْ وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ عَلَيْهِمْ وَعِيَادَةِ مَرْضَاهُمْ وَمِنْهُ مُرَاعَاةُ حَقِّ الْأَصْحَابِ وَالْخَدَمِ وَالْجِيْرَانِ وَالرُّفَقَاءِ فِي السَّفَرِ"[36]

"اور وہ لوگ رشتہ داری کے تعلق کو جوڑتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے-اس سے رشتہ داروں اور قرابت داروں سے تعلقات قائم کرنا مراد ہے اور اس میں رسول اللہ (ﷺ) کی قرابت کے ساتھ تعلق جوڑنا بھی داخل ہے اور اس میں مؤمنین کے ساتھ تعلق جوڑنا بھی داخل ہے اور اس میں ایمان کی وجہ سے ثابت ہونے والے تمام مسلمانوں کی قرابت سے تعلق جوڑنا بھی داخل ہے (جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے) بے شک تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اس میں ان کے ساتھ اپنی ہمت کے مطابق نیکی کرنا اور ان کی مدد کرنا بھی داخل ہے اور اس میں ان سے مصیبت کو دور کرنا اور ان پر شفقت کرنا اور انہیں سلام کہنا اور بیماروں کی عیادت کرنا بھی داخل ہے اور اس میں ساتھیوں کے حقوق کی رعایت کرنا، خادموں، نوکروں اور سفر کے دوستوں کے حقوق کی رعایت کرنا بھی داخل ہے"-

محدثین و مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نسب کا جڑنا، یعنی ایک نام کا دوسرے نام سے جڑنا، رشتہ داروں کا ایک دوسرے کے قریب آنا؛اس سے مراد صلہ رحمی ہے-

امام قرطبی اپنی تفسیر میں اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"قَوْلُهٗ تَعَالٰى: وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ ظَاهِرٌ فِيْ صِلَةِ الْأَرْحَامِ، وَهُوَ قَوْلُ قَتَادَةَ وَأَكْثَرِ الْمُفَسِّرِيْنَ. (وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ) قِيْلَ: فِيْ قَطْعِ الرَّحِمِ"

"اللہ پاک کا فرمان مبارک "وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ" یہ "صلہ رحمی " کے بارے میں ظاہر ہے اور یہی حضرت قتادہ اور اکثر مفسرین کا قول مبارک ہے؛اور "وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ" کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ "قطع رحمی " کے بارے میں ہے-(یعنی وہ قطع رحمی کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرتے ہیں)"-

یعنی لوگ اللہ سے اس لئے ڈرتے ہیں تاکہ ان کے وہ تعلقات کہیں منقطع نہ ہوجائیں جن کے قائم ہونے سے اللہ پاک خوش ہوتا ہے؛اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل، کتب و صحائف اور ان رشتوں کے ذریعے جو ہمارے درمیان محبت و قربت قائم کی ہے اسی طرح قائم و دائم رہے-امام مسلم (﷫) نے حدیث پاک بیان کی ہے جس کو متعدد مفسرین کرام نے بیان کیا ہے:

"حضرت ابوہریرہ (﷜) سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضور نبی کریم (ﷺ) کی بارگاہِ اقدس میں عرض کی کہ یارسول اللہ (ﷺ)!

"إِنَّ لِيْ قَرَابَةً أَصِلُهُمْ وَيَقْطَعُوْنِيْ وَأُحْسِنُ إِلَيْهِمْ وَيُسِيْئُوْنَ إِلَيَّ وَأَحْلُمُ عَنْهُمْ وَيَجْهَلُوْنَ عَلَيَّ لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللهِ ظَهِيْرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ"[37]

"میرے رشتہ دار ہیں میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں میں ان پر احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں میں ہر معاملہ میں تحمل سے کام لیتا ہوں وہ جہالت پر اترتے رہتے

[35] (الرعد:21)

[36] (تفسیر النسفی)

[37] (صحیح مسلم، کتاب البر و الصلۃ)

ہیں حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اگر معاملہ اسی طرح ہے جس طرح تو نے کہا ہے تو تُو ان کے منہ میں خاک ڈال رہا ہے (یعنی وہ خود ذلیل ہوں گے) اور تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال رہے گی جب تک تو اپنی اس عادت پر جمارہے گا"۔

یعنی جو انسان جس طرح کا رویہ اختیار کرتا ہے اس کا معاملہ اس کے اپنے ساتھ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے رشتہ داروں اور حلقۂ احباب میں محبت و قربت کے عمل کو فروغ دیتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر استقامت اختیار کرے کیونکہ اس کا اجر اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نصیب ہونا ہے۔ اس لئے ہمارے ہاں خاص طور پہ برادریوں میں جھوٹی اناؤں، عنادوں اور بغضوں کی وجہ سے متعدد خاندانوں میں قطع تعلق کئی کئی برسوں تک چلتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے نسل در نسل اس روایت کو لے کر چلنا مجبوری بنتی چلی جاتی ہے۔ حتی کے کم سن بچے جن کو ابھی تک اچھائی اور برائی میں فرق واضح نہیں ہوتا ان کو بات معلوم ہوتی ہے کہ ہم نے فلاں خاندان سے اس لئے تعلق کو مضبوط نہیں کرنا کہ ہماری اُن سے ضِد بازی ہے۔

لہٰذا! گھریلو معاملات میں کنبے کے سربراہ کا بہت اہم کردار ہوتا ہے جس میں بہت احتیاط اور عدل و انصاف پہ چلنا پڑتا ہے۔ کیونکہ گھروں میں منفی اندازِ فکر سے رشتوں میں نفرتیں بڑھتی ہیں۔ مرد وہ نہیں ہے جس کے کان میں جو بارود بھر دیا جائے وہ ہر جگہ پہ اس بارود کے ساتھ پھٹتا رہے۔ مرد کی عزت، شخصیت اور وقار کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انصاف کرنے والا ہو اور اپنے خاندان میں حکمت و تدبر کے ساتھ ایسا فیصلہ کرنے والا ہو جو قربت کو پیدا کرے۔

نہ صرف خانگی اور خاندانی معاملات میں بلکہ مجموعی طور پہ بھی اپنے سماج میں جب اردگرد نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس معاشرہ کا حصہ ہیں جو نفرتوں سے بھرا پڑا ہے، جہاں لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں، سیاسی فرقہ واریت اپنے عروج پہ ہے۔ حالانکہ اس قوم نے اپنی گزشتہ کئی صدیوں کی تاریخ میں اتنی سیاسی نفرت و منافرت نہیں دیکھی جتنی پچھلے ان چار عشروں کے اندر پیدا ہوئی ہے۔

خدارا! ہمیں ان سب سے اپنے آپ کو نکالنا چاہیے کیونکہ ہم تو وہ قوم ہیں جس نے یہ ماڈل دیا تھا کہ ہمارے درمیان صدیوں کے تضادات تھے لیکن ان تمام تضادات و رنجشوں کو بالائے طاق رکھ کر ہم ایک مردِ قلندر محمد علی جناح کی آواز پہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے نام پہ سبز ہلالی پرچم کے نیچے جمع ہوگئے تھے۔ آج ہم پر لازم ہے کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے اس عہد کے ساتھ وفا کریں کیونکہ ہم جب بھی سبز ہلالی پرچم کو دیکھتے ہیں اس کا رنگ ہمیں گنبد خضریٰ کی یاد دلاتا ہے کہ یہ رنگ ہمارے بزرگوں نے وہاں سے اخذ کیا کیونکہ وہ گنبد خضریٰ کو عشق کا استعارہ اور محبت کی جان سمجھتے تھے۔ پاکستان گنبد خضریٰ کا فیضان ہے اس سے محبت و عقیدت رکھنا، اس کے تحفظ کے لئے اپنی جانوں کو نچھاور کرنا اور اس کی یکجہتی کے لئے یک جہت اور متحد ہونا ہماری سیاسی کمٹمنٹ نہیں بلکہ ہماری روحانی کمٹمنٹ ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے اندر سے نفرتوں اور برادری ازم کے خصائل بد کو نکالنا چاہیے۔

جیسا کہ شروع میں بیان کیا ہے کہ اس تحریک "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" کا تعلق طریق تصوف سے ہے۔ صوفیاء کا طریق فارسی شاعر صائب تبریزی کے ایک واقعہ سے بیان کرنا چاہوں گا؛ وہ فرماتے ہیں کہ کسی بزرگ کو ایک آدمی نے کہا کہ آپ کے فلاں درخت سے کسی بندے نے لکڑی کاٹ کر اپنی کلہاڑی کا دستہ بنالیا ہے۔ حالانکہ اس شکایتی آدمی کا مقصود اس بندے کی چغلی کرنا تھا کہ فلاں شخص نے آپ کے درخت سے لکڑی کاٹی ہے تاکہ وہ بزرگ اس سے خفا ہو جائیں اور تعلق توڑ لیں۔ لیکن اس بزرگ کا جواب صائب تبریزی اپنی فارسی شاعری میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

آن نخل نا خلف که تبر شد ز ما نبود
ما را زمانه گر شکند، ساز می شویم

"وہ لکڑی جو کٹ کر کلہاڑی کا دستہ بن گئی وہ ہم میں سے نہیں (وہ ہمارے جنگل کی لکڑی نہیں ہو سکتی) اگر ہم میں

سے ہوتی (ہمارے جنگل سے ہوتی) تو وہ کسی فقیر کی بانسری بن گئی ہوتی"۔

لہٰذا! فقراء، درویشوں اور اہل تصوف کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ لوگوں کو آپس میں جوڑتے ہیں اور محبت و قربت کے عمل کو فروغ دیتے ہیں جس کی وجہ سے اُنہیں طعنہ زنی کے نشتر بھی کھانے پڑتے ہیں- اس لئے ہمیں ایک بیلنس اپروچ چاہیے جس میں آپ دین و دنیا میں اعتدال پیدا کریں- نہ دنیا میں اتنی شدت پیدا ہو جائے کہ ہم مادہ پرستی کا شکار ہو کر خدا اور رسول کریم (ﷺ) سے غافل ہو جائیں اور نہ دین میں اس سطح پہ چلے جائیں کہ دین کا نام استعمال کر کے مسلمانوں کی گردنیں مارتے پھریں- اس طرح کی شدت و ذہنی غلاظت کا یہ طریق خوارج کا ہے کیونکہ یہ اہل ایمان کا شیوہ نہ تھا، نہ ہے اور نہ ہو گا- اہل ایمان کی نشانی ہی یہ ہے کہ وہ دین رحمت پہ کامل طور پہ عمل کرنے والے ہوتے ہیں اور اس رحمت کی برکت سے ان کا وجود کل مخلوقات کے لئے سراپا رحمت بنا دیا جاتا ہے-

اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے تصوف کا اصول کیا ہے؟ جس کی آپ دعوت دیتے ہیں- تصوف کا اصول بنیادی طور پہ تربیت باطنی و روحانی ہے جس میں اپنے آپ کا تصفیہ کیا جاتا ہے- اپنے ظاہر و باطن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے پاک کیا جاتا ہے جو کہ اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین کی دعوت ہے آئیں سب سے پہلے اپنے باطن کو پاک کریں- کیونکہ جب باطن پاک ہوتا ہے تو پھر وجود سے رحمت جنم لیتی ہے-

جلال الدین رومی (رحمۃ اللہ علیہ) سے کسی نے پوچھا کہ مَیں کونسا ایسا کام کروں کہ دنیا مجھے قبول کر لے اور میرے مرنے کے بعد بھی مجھے یاد رکھے- آپ نے فرمایا دو کام کیا کرو؛ ایک معاف کرنے میں پہل کرو اور دوسرا معافی مانگنے میں؛ دنیا تمہیں کبھی نہیں بھولے گی- یہ معاشرت کا اصول ہے- اگر کوئی طریق تصوف میں آنا چاہتا ہے تو وہ سب سے پہلے اپنے اندر معاف کرنے اور معافی مانگنے کا جذبہ پیدا کرے تاکہ اس کے وجود میں اعلیٰ اخلاقی صفات پیدا ہو سکیں- اس لئے جتنی بھی صفات الٰہیہ ہیں جن کا تعلق جمال سے ہے مومن کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے وجود میں ان صفات جمال کو اختیار کرے- جو معاف نہیں کرتا یا جس میں معاف کرنے کا جذبہ نہیں ہے وہ صوفی نہیں ہو سکتا کیونکہ صوفی سخی ہوتا ہے- تاریخ انسانی میں جتنے بھی صوفیاء کرام گزرے ہیں ان تمام کے القاب سارے سخیوں والے ہیں- مثلاً: غوث، دستگیر، داتا، گنج بخش، گنج شکر، سخی سلطان باھو، سخی سرور- ان تمام صوفیاء کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ سخاوت کی خیر ہوتی ہے- اس لئے مَیں کہتا ہوں کہ بخیل کبھی صوفی نہیں ہو سکتا اور صوفی کبھی بخیل نہیں ہو سکتا- جس میں معاف کرنے کی ہمت نہ ہو وہ صوفی نہیں ہو سکتا کیونکہ صوفی ہوتا ہی وہ ہے جو رب کی صفات کا مظہر ہو-

دوسری بات تصوف کا اصول طریق باطن اور الہام سے ہوتا ہے- الہام اسلام میں کوئی اجنبی چیز نہیں ہے بلکہ یہ وہ چیز ہے جو سرکار دو عالم (ﷺ) نے خود اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو عطا فرمائی- متفق علیہ حدیث پاک ہے جس کو امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے "صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابہ" میں سیدنا ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے نقل کیا اور امام مسلم (رحمۃ اللہ علیہ) نے "صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ" اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے نقل کیا-

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:-

"إِنَّهُ قَدْ كَانَ فِيمَا مَضَى قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ وَإِنَّهُ إِنْ كَانَ فِي أُمَّتِي هَذِهِ مِنْهُمْ فَإِنَّهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ"[38]

[38] (صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابہ)

"بے شک تم سے پہلی امتوں میں مُحدَّث (صاحبِ الہام) ہوا کرتے تھے اور اگر میری امت میں بھی کوئی مُحدَّث ہے تو وہ "عمر" ہے"۔

امام مُسلم (رحمۃ اللہ علیہ) اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کی روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"قَالَ ابْنُ وَهْبٍ تَفْسِيْرُ مُحَدَّثُوْنَ مُلْهَمُوْنَ"[39]

"ابن وہب (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ مُحدَّث اس شخص کو کہتے ہیں جس پر الہام کیا جاتا ہو"۔

امام طبرانی (المتوفی: 360ھ) "معجم الاوسط" کی روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، كَيْفَ مُحَدَّثٌ؟

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! محدث کون ہوتا ہے؟

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"تَتَكَلَّمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى لِسَانِهٖ"

"جس کی زبان پر فرشتے گفتگو کریں (کلام کریں)"۔

علامہ بدر الدین عینی الحنفی (المتوفی: 855ھ) اسی حدیث پاک کی شرح میں مختلف آئمہ کرام کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

امام خطابی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

"اَلْمُحَدَّثُ الْمُلْهَمُ الَّذِيْ يُلْقَى الشَّيْءُ فِيْ رَوْعِهٖ فَكَاَنَّهٗ قَدْ حُدِّثَ بِهٖ يَظُنُّ فَيُصِيْبُ، وَيَخْطُرُ الشَّيْءُ بِبَالِهٖ فَيَكُوْنُ، وَهِيَ مَنْزِلَةٌ جَلِيْلَةٌ مِنْ مَنَازِلِ الْاَوْلِيَاءِ۔۔۔وَقَالَ النَّوَوِيُّ حَاكِيًا عَنِ الْبُخَارِيِّ: يُجْرِي الصَّوَابَ عَلٰى اَلْسِنَتِهِمْ وَفِيْهِ: كَرَامَةُ الْاَوْلِيَاءِ وَاَنَّهَا لَا تَنْقَطِعُ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ"[40]

"محدث وہ شخص ہوتا ہے جس کے دل پر الہام کیا جائے گویا اس سے کوئی بات بیان کی جاتی ہے وہ جو گمان کرتا ہے وہ درست ہوتا ہے اور وہ اپنے دل پر جس چیز کو محسوس کرتا ہے وہ وہی ہوتی ہے اور یہ اولیاء اللہ کے درجات میں سے ایک عظیم درجہ ہے--- امام نَوَوِیؒ (رحمۃ اللہ علیہ) نے امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) سے حکایتاً بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ پاک ان کی زبانوں پر حق کو جاری فرما دیتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اولیاء اللہ تعالیٰ کی کرامات (برحق ہیں) اور یہ یوم قیامت تک جاری و ساری رہیں گی"۔

اسی حدیث پاک کی تشریح میں حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی (رحمۃ اللہ علیہ) نے "فتح الباری شرح صحیح بخاری" میں فرمایا کہ:

"فَثَبَتَ بِهٰذَا اَنَّ الْاِلْهَامَ حَقٌّ"

"پس اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ الہام حق ہے"۔

ان جلیل القدر محدثین اور علمی ہستیوں کی تائیدات سے یہ بات یقینی طور پہ ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ کے ولیوں کو الہام ہونا برحق ہے- اس لئے یہ وہ راستہ ہے جس میں خود سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس تربیت کو صحابہ کرام میں پیدا کیا ہے- اسلام میں یہ طریق قطعاً کوئی اجنبی راستہ یا اجنبی منہج نہیں ہے- اس سے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بھی، اہل بیت بھی، ازواجِ مطہرات بھی، سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کل امت بھی اس سے آشنا رہی ہے- اصلاحی جماعت بھی یہی دعوت لے کر آئی ہے کہ آئیں اس تحریک میں شامل ہو کر اس تربیتِ باطنی و روحانی کو حاصل کریں جو آپ کے وجود میں اطاعت و عبادت الٰہی میں خلوص و اخلاص کا جذبہ پیدا کرتی ہے؛ جس سے آپ کے وجود میں حب عشق مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جذبہ کمال پیدا ہوتا ہے؛ اور جو آپ کو اس تزکیہ باطنی کی طرف بلاتی ہے- مَیں آپ تمام خواتین و حضرات بالخصوص اپنے نوجوان بھائیوں اور ساتھیوں کو دعوت دوں گا کہ آپ اس تحریک میں شامل ہو کر شانہ بشانہ اس دعوت کو عام کریں اور اس تربیت کو سیکھیں جو صدیوں سے سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت و محبت میں خالص کریں- بقول سلطان العارفین (قدس اللہ سرّہ):

ب: بسم اللہ اسم اللہ دا ایہہ بھی گہناں بھارا ھو
نال شفاعت سرورِ عالم چھُٹسی عالم سارا ھو
حدوں بے حد درود نبیؐ نوں جیندا ایڈ پسارا ھو
مَیں قُربان تنہاں توں باھُوؒ جنہاں ملیا نبیؐ سوہارا ھو

☆☆☆

[39] (صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ)
[40] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری)

(رپورٹ)

فَفِرُّوْا اِلَى اللہ سالانہ ملک گیر دورہ 2018-2019

اِصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین

زیرِ قیادت: سالارِ عارفین، وارثِ میراثِ سُلطان العارفین

جانشینِ سُلطان الفقر حضرت سُلطان محمد علی صاحب

سرپرستِ اعلیٰ: اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین

دربارِ گوہربار؛ سُلطان العارفین حضرت سخی سُلطان باھُوقدس اللہ سرّہٗ

ادارہ

قوم کے فکری انتشار کے دوران قیادت کا کردار فیصلہ کن ہوتا ہے-کارواں جب بھٹکنے لگے تو قائد کی شخصیت ہی صحیح سمت کا تعین کرتی ہے جیسے بکھرے ہوئے پروانوں کو شمع کی لو ہی یکجا کرتی ہے- جس کشتی کے مسافروں کو ملاح نصیب ہو وہ طوفانوں کی پرواہ نہیں کرتے-ضرورت صرف شاخ سے پیوستہ رہنے کی ہے شجر پہ بہار آ کر رہتی ہے-دینی مُعاملات وتربیت میں صُوفیائے کرام کو روزِ اول سے ہی قائدانہ حیثیت حاصل رہی ہے، صُوفیاء کے قرآن وسُنت کے عملی مشن کو عہدِ حاضر میں آگے بڑھانے کیلئے سُلطان الفقر حضرت سُلطان محمد اصغر علی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اِصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین کو قائم فرمایا- آج نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اصلاحی وروحانی تربیّت کے ذریعے اپنے انفرادی و ملی کردار کو پختہ تر بنا رہی ہے اس کی وجہ اصلاحی جماعت کی رُوحانی اور ولولہ انگیز قیادت، مضبوط دِینی کردار اور غیر معمولی معیار کی تربیت ہے-

اِس دردِ انسانیت کو عامۃ الناس کے دل و دماغ میں جاگزیں کرنے کے لئے ’’اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین‘‘ کے زیرِ اہتمام جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)، سرپرستِ اعلیٰ ’’اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین‘‘ کی قیادت میں علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر محسنِ انسانیت فخرِ موجودات (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) کے اسمِ گرامی سے منسوب محافل میلادِ مصطفےٰ (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) اور حضرت سلطان باھُو (قدس اللہ سرّہٗ) کانفرنسز (Conferences) کے سالانہ اجتماعات منعقد ہوتے ہیں-

یہ اجتماعات روایتی طریق کار کی طرح نہیں ہوتے بلکہ نہایت ہی منظّم اور بامقصد طریقے سے ہوتے ہیں-ہر پروگرام کی ترتیب اس طرح سے ہوتی ہے کہ پروگرام کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک اور نعتِ رسولِ مقبول (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) سے ہوتا ہے-اس کے بعد نہایت ہی خوبصورت انداز میں حضرت سلطان باھو (قدّسَ اللہ سرّہٗ) کا عارفانہ کلام پیش کیا جاتا ہے- خصوصی و تحقیقی خطاب جنرل سیکریٹری ’’اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین‘‘، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب کا ہوتا ہے، صاحبزادہ صاحب کے خطابات تحقیقی و علمی نوعیّت کے ہوتے ہیں اور تقریباً تقریباً ہر مقام پہ ایک نئے موضوع پہ نئی تحقیق کے ساتھ خطاب ہوتا ہے-بعض دیگر تحریکی مصروفیات کی وجہ سے جہاں صاحبزادہ سُلطان احمد علی صاحب تشریف نہ لا سکیں وہاں پر ناظمِ اعلیٰ اصلاحی جماعت الحاج محمد نواز القادری صاحب خطاب کرتے ہیں-پروگرام میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شرکت کرتے ہیں-جو لوگ اِس دعوتِ بقائے اِنسانیت کو قبول کرتے ہیں اور بیعت ہونا چاہتے ہیں تو وہ پروگرام کے اختتام پر سرپرستِ اعلیٰ اصلاحی جماعت جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس) کے دستِ مبارک پر بیعت ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں اور ’’اسم اللہ ذات‘‘ کی لازوال دولت سے سرفراز ہوتے ہیں-بیعت ہونے والوں کی تعداد بعض مقامات پر سینکڑوں اور بعض مقامات پر ہزاروں میں ہوتی ہے-پروگرام کے آخر میں صلوٰۃ والسلام کے بعد ملک و قوم اور اُمّتِ مسلمہ کی سلامتی کے لئے دعائے خیر کی جاتی ہے-

امسال انعقاد پذیر ہونے والے ان شاندار تربیّتی و اِصلاحی اجتماعات کے تیسرے مرحلے کی تفصیل اور خطابات کی مختصر رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

میانوالی	18-01-2019	

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

”پنڈال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا ہر طرف جماعت اور پاکستان کے پرچم لہرا رہے تھے- موسم قدرے سرد تھا، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی لیکن اس کے باوجود لوگوں کا ٹھاٹے مارتا ہوا سمندر موجود تھا- خطاب بروقت شروع ہوا جس میں موضوعِ سخن ”خاتم النبیین (ﷺ) کی سیرت مبارک“ رہا- ابتداء میں حضور نبی کریم (ﷺ) کی ختم نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کا کل عالمین کے لیے نبی ہونا آپ (ﷺ) کے ختم نبوت پہ دلیل ہے- جیسا کہ امام ابن حنبل ”مسند احمد بن حنبل“ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا يَعْلَمُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ

”زمین و آسمان کے درمیان جو چیز بھی ہے اسے معلوم ہے کہ بے شک میں اللہ پاک کا رسول (ﷺ) ہوں“-

یعنی کائنات کی جتنی بھی اشیاء ہیں مثلاً آسمان، زمین، دریا، درخت، پتھر، کنکر، لکڑی، خوشبو، روشنی، ہوا، پانی وغیرہ سب چیزیں شے میں آتی ہیں جس کا مطلب ہے کہ تمام چیزیں حضور نبی کریم (ﷺ) کی معرفت رکھتی ہیں- مزید صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم (ﷺ) کی متعدد ایسی احادیث مبارکہ ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کو پرندے، جانور اور حتی کہ وحشی درندے بھی جانتے تھے اور آپ (ﷺ) کے ذاتِ گرامی کا احترام کرتے تھے- اس کے اوپر کتبِ حدیث اور کتب سیرت سے ایسی روایات پیش کی گئی جن سے پرندوں، جانوروں اور درندوں کا آقا کریم (ﷺ) کی بارگاہ میں ادب و تعظیم کرنا ثابت ہے- مثلاً اونٹوں اور اونٹنیوں، چڑیوں، کبوتروں اور شیر کے واقعات بیان کیے گئے اور آخر میں بالخصوص حضور نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں رہنے والے دراز گوش کا واقعہ بیان کیا گیا- جب وہ واقعہ بیان کیا جا رہا تھا تو مجمع میں ایک ایسی کیفیت طاری ہوگئی جس میں لوگوں کی آنکھوں سے اشک رواں تھے کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کی معرفت و پہچان مخلوقات کے دل میں پیدا فرمائی ہے- اس دراز گوش کے لئے محدثین نے ”حمار مبارک“ کے الفاظ استعمال کیے ہیں- خاص طور پہ جمال الدین ابن حدیدہ (المتوفی: 783ھ) ”اَلْمِصْبَاحُ الْمُضِیْ“ میں فرماتے ہیں کہ:

فَلَيْتَنِيْ كُنْتُ شَعْرَةً فِيْ جِلْدِ هٰذَا الْحِمَارِ الْمُبَارَكِ

”کاش کہ میں اس مبارک گدھے کی جلد کا ایک بال ہوتا“-

یعنی اس طرح عشاق نے اپنے آقا کریم (ﷺ) کو پہچانا اور آپ (ﷺ) کے خاتم النبیین ہونے پر گواہی دی“-

خوشاب	19-01-2019	پرانا میلہ گراؤنڈ جوہر آباد

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

"گفتگو کا موضوع "سیرتِ رسول (ﷺ)" رہا- جس کے ابتداء میں بیان کیا گیا کہ کسی بھی چیز کی جتنی زیادہ صفات ہوتی ہیں اتنی ہی زیادہ اس کے لئے احترام کی بلندی سمجھی جاتی ہے- مثلاً ایک آدمی ڈاکٹر ہے اور اس کے علاوہ اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے تو اس کے نام کے ساتھ صرف ڈاکٹر لکھا جاتا ہے؛ لیکن ایک آدمی نے اگر اپنی اُسی میڈیکل فیلڈ کو باقاعدہ طریق سے طویل عرصہ طلباء کو پڑھایا ہو تو اس کو پروفیسر بھی کہا جاتا ہے- اگر اسی پروفیسر ڈاکٹر کا تعلق ملٹری سے ہو تو وہ ترقی کرتے کرتے جرنل کے عہدے پر پہنچ جاتا ہے- پھر اگر مزید اس کے عہدے میں ترقی ہو جائے تو وہ لیفٹیننٹ بن جاتا ہے جس سے اس کے عہدے کا احترام اور بڑھ جاتا ہے- اس کے ساتھ ساتھ اگر اس کو ادارے کی طرف سے کوئی تمغہ یا کوئی ستارہ بھی ملا ہوا ہو تو اس کے نام کے بعد اس کے تمغے کا بھی ذکر آجاتا ہے مثلاً تمغہ ٔجرأت، ستارۂ بسالت- اس کے علاوہ اگر وہ کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جن کے قوموں کے مخصوص نام ہوتے ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں، مثلاً ملک، خان، چوہدری، مہر، رانا، راؤ تو اس کے ساتھ ایک اور اضافت لگ جاتی ہے- یعنی جیسے جیسے بندے کا تعارف

وسیع ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے اس کے القابات اور زیادہ بڑھتے چلے جاتے ہیں- لیکن دنیا میں ایک لقب، کسی کو دو، بہت زیادہ کسی کو اگر اعزاز ملا تو اس کو چھ القاب مع کنیت مل گئے- چند شخصیات ایسی ہیں جن کے اسماء کی جزئیات نے بارہ یا پندرہ سے تجاوز کیا ہے لیکن سرکارِ دو عالم (ﷺ) کے اسماء حسنی کو جب ہم دیکھتے ہیں تو بعض نے کہا کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کے اسماء مبارک کی تعداد اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کے برابر ننانوے (99) ہے- اس پر محدثین اور آئمہ دین کے مختلف کتب کے حوالوں سے یہ واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارک کی تعداد ایک ہزار بیان کی گئی ہے اور اسی طرح حضور نبی کریم (ﷺ) کے اسماء حسنی کی تعداد بیان کی گئی ہے- تعدادِ اسماء پہ روشنی ڈالنے کے بعد اس چیز کو بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کئی اسماء صفات سے اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کو متصف فرمایا ہے- یعنی آقا کریم (ﷺ) کے اسماء حسنی کی کثرت آپ (ﷺ) کی صفات کی کثرت کو واضح کرتی ہے اور صفات کی کثرت آپ (ﷺ) کے کمالات کی کثرت کو واضح کرتی ہے اور کمالات کی کثرت آپ (ﷺ) کے فضائل کی کثرت کو واضح کرتی ہے اور فضائل کی کثرت آپ (ﷺ) کے مقامات کی کثرت کو واضح کرتی ہے اور مقامات کی کثرت ہمیں اس بات کی طرف اکساتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنا عظیم الشان نبی عطا کیا ہے تو کیوں نہ ان کے نام پر اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا جائے"-

اسلام آباد	20-01-2019	کنونشن سنٹر

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

”اسلام نے سماج اور معاشرت کے اصول طے کئے ہیں جس کا مقصد سماج میں خوبصورتی پیدا کرنا اور اسے ٹوٹ پھوٹ سے بچا کر محبت و اخوت کی جانب لانا ہے- کنبے کی حرمت قائم کر کے اللہ تعالیٰ نے احسانِ عظیم کیا ہے- انسان کے نسب اور اس کے سسرال سے تعلق انسان پر لازم ہے اور ان میں اعتدال سے حسن معاشرت قائم ہوتا ہے- ہمیں بھی اپنے ان رشتوں کی حرمت کو قائم رکھنا چاہیے اور ان میں اعتدال رکھنا چاہیے- اہلِ تصوف کا شیوہ رہا ہے کہ انہوں نے معاشرے کو جوڑا اور نفرتوں کو ختم کیا جو کہ دین و دنیا میں اعتدال پیدا کرنے سے ممکن ہے- تصوف کا بنیادی اصول اپنے باطن کی اصلاح ہے- معافی مانگنے میں پہل کرنا اور معاف کرنے میں پہل کرنا تصوف کا اہم اصول ہے- بخیل کبھی صوفی نہیں ہوتا اور صوفی کبھی بخیل نہیں ہوتا- صاحبزادہ صاحب نے مزید فرمایا کہ دین آفاقی زندگی کے تمام پہلوؤں پر رہنمائی دیتا ہے اور انسان کو دو بنیادی پہلوؤں کی جانب بلاتا ہے، حکمِ الٰہی اور اطاعتِ رسول اکرم (ﷺ)- اسلام کی دعوت، دعوتِ الی اللہ بھی ہے اور دعوتِ

الی الرسول (ﷺ) بھی- علامہ اقبال نے بھی یہ واضح کیا ہے کہ مصطفٰے کریم (ﷺ) کی محبت ہی دینِ حق کی شرط اول ہے اور دین کی حقیقت اور اصل مغز اسی نسبت سے نصیب ہوتا ہے- ایمان بالتوحید اور ایمان بالرسالت دونوں اسلام کی بنیاد ہیں- جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں آنے اور ذکر کرنے کے آداب بیان فرمائے ہیں وہیں قرآن کریم میں حضور نبی کریم (ﷺ) کی بارگاہ کے آداب بھی سکھائے ہیں- قلب کا تقویٰ ادب اور تعظیمِ مصطفٰے (ﷺ) میں ہے- حبیب اکرم (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار عطا فرمایا کہ آپ (ﷺ) جسے چاہیں صراط مستقیم پر ہدایت عطا فرمائیں- کفار اور منافقین میں سے بہت سے لوگ توحید پر یقین رکھتے تھے مگر رسول اکرم (ﷺ) پر ایمان نہ لانے کے باعث ایمان کی نعمت نہ پا سکے“-

ایبٹ آباد	21-01-2019	مارکی شادی ہال

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

”آج کی تقریب کا مقصد اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرنا ہے یعنی اس تربیت کو اپنے اندر اجاگر کرنا ہے جو انسانی اپنی انسانیت سے آشنائی اور فراست و دور اندیشی پیدا کرتی ہے جس کے ذریعے انسان میں وہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ اپنی قوم کے مستقبل کے فیصلے کر سکے- صاحبزادہ صاحب نے مزید فرمایا کہ جن لوگوں کو آئیڈیلائز کرتے ہیں اپنے رول ماڈل کے طور پر اور جن کو ہم نے اپنے لئے اور اپنی آنے والے نسلوں کے ذریعے راہبر اور رہنما تصور کرتے ہیں ان کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ ہمارے اخلاقی اور شرعی حجت کی حیثیت رکھتا ہے جن کے فیصلوں میں شریعت تشکیل پائی، جن کی روایت پہ پوری اُمت ان کے عدل و صدق اور اخلاق پر متفق ہے- وہ مقدس ہستیاں ہمارے پیارے نبی کریم (ﷺ) کی نگاہ

مبارک، صحبت مبارک اور آپ (ﷺ) کے رخِ زیبا کی زیارت کے فیضان سے تیار شدہ خلفاء راشدین صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) ہیں- عام طور پر ہم جو واقعات ان ہستیوں کے پڑھتے ہیں ان میں عموماً ہماری نظروں سے ان کا ظاہری پہلو اجاگر ہوتا لیکن ہم نے کبھی کوشش نہیں کی اس کا عمیق مطالعہ کر کے جائزہ لیں اور یہ تحقیق کرلیں کہ وہ اتنی عمدگی سے اتنا عدل و اعتدال اور اتنے قلیل وقت میں ایک بہترین فیصلے کی صلاحیت اور قدرت ان کے اندر کیسے پیدا ہو جاتی تھی؟ تو مجھے سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا ذوالنورین اور سیدنا المرتضیٰ (رضی اللہ عنھم) کے اس امت کے متعلق فیصلے کس قدر محسن ہیں- امیر المومنین سیدنا علی المرتضی (رضی اللہ عنہ) نے جو فیصلے کیے ہیں، جو قانون ہمارے پاس بنا ہوا یا لکھا ہوا ہے مگر ہماری عدالتیں جو پاکستان میں لگنی چاہیں وہ یورپ کے اندر لگیں ہیں یا کسی اور مقام پہ لگیں ہیں- وہ قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کے محتاج ہیں لیکن یہ ان کا کمال تھا کہ صحابہ کرام اور خلفہ راشدین (رضی اللہ عنھم) کے مرتب قانون کے نہ ہوتے ہوئے بھی جو فیصلہ کرتے وہ عدل و انسانیت پہ مبنی تھا- میں جب بھی اس بات کی کھوج لگاتا ہوں کہ بشری تقاضوں کے اندر رہتے ہوئے یہ ممکن ہو سکتا ہے تو میرے سامنے ہمیشہ آقا دو جہاں (ﷺ) کا فرمان اقدس سامنے آتا ہے کہ:

اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی[1]

”مومن کی فراست (دُور اندیشی) سے ڈرو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے“-

ہری پور	22-01-2019	ملک بینکویٹ ہال

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ”اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین“ جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)

خطاب: مرکزی جنرل سیکرٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

”گفتگو کا بنیادی موضوع ”سیرتِ رسول (ﷺ)“ ہی رہا جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی کہ کس طرح سیرت ایک الگ موضوع اور ایک الگ نظم و ضبط کا درجہ اختیار کرتی گئی؟ اور مسلمانوں کے نزدیک تاریخی طور پہ سیرتِ کے مطالعہ کی کیا اہمیت رہی ہے؟ اس کے بعد سیرت کی آفاقیت اور اس کی ہمہ گیریت پہ گفتگو رہی کہ کیسے سیرت پوری دنیا کے مختلف علوم کو اپنے ہاتھوں میں لا کر بحث کرتی ہے اور خاص کر مسلمانوں کی جو سماجی و اقتصادی، عدالتی اور ریاستی زندگی ہے وہ کس طریق سے براہ راست سیرت سے فیض حاصل کرتی ہے- پھر اس کے بعد اس چیز کی وضاحت کی گئی کہ اس سب کے باوجود مسلمان کا جو سرکار دو عالم (ﷺ) کی ذات اقدس سے رشتہ و ناطہ ہے وہ صرف سماج یا معیشت یا ریاست کا نہیں ہے بلکہ حضور نبی کریم (ﷺ) سے بنیادی تعلق شفاعت، ایمان اور قلب و روح کا ہے- جو مسلمان کی جستجو کا حاصل و حصول ہے وہ حضور نبی کریم (ﷺ) سے تعلق باطنی کو اپنے عشق و محبت کو فروغ دینا ہے اور جب تک وہ چیزیں فروغ نہیں پاتیں تب تک انسان الجھا رہتا ہے- مثلاً حضور نبی کریم (ﷺ) کے متعلق ایک معروف سیرت نگار نے بہت زور دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور پاک (ﷺ) کو مدینہ منورہ میں اوس و خزرج کے مابین سردار کے طور پر جو تسلیم کیا گیا اس میں حضور نبی کریم (ﷺ) کی اجنبیت نے حضور نبی کریم (ﷺ) کو سردار بنوایا- سیرت نگاروں کو اس طرح کے مغالطے لگتے ہی تبھی ہیں جب وہ روحانی تعلق سے منقطع ہو کر صرف سیاسی سیرت نگاری کرنا چاہتے ہیں-

[1] (جامع ترمذی، کتاب التفسیر)

حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ عبد اللہ بن ابی منافق کی حضور نبی کریم (ﷺ) سے عداوت کی وجہ ہی یہی تھی کہ اس کا تاج بننے کے لئے سنار کے پاس جا چکا تھا اور آقا کریم تشریف لائے تو لوگوں نے اس کو چھوڑ کر حضور نبی کریم (ﷺ) کو اپنا آقا و سردار مان لیا اور انصار تو وہ لوگ تھے جن میں خاص کر حضرت ابو ایوب انصاری (رضی اللہ عنہ) کا قبیلہ جو بعض روایات میں 400 سال، بعض میں 600 سال، بعض میں 900 سال سے مدینہ منورہ میں خط لے کر بیٹھے تھے کہ نبی آخر الزماں نے تشریف لانا ہے اور ہم ان کے انتظار میں بیٹھے ہیں تو اجنبیت کہاں سے آگئی؟ اس لئے مسلمان کو سب سے پہلے یہ چاہیے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) سے اپنے تعلق کی بنیادیں واضح کرے پھر سیرت کا مطالعہ اسے ایمانی، باطنی اور روحانی طور پہ منافع دے گا- کیونکہ:

آئینہ دل صاف ہو تو شفا ملتی ہے زہر بن جاتی ہے ورنہ جو بھی دوا ملتی ہے

کئی مستشرقین ایسے ہیں جنہوں نے سیرت پہ بہت اچھا کام کیا ہے لیکن اس کے باوجود انہیں دولت ایمان نصیب نہیں ہو سکی تو محض سیاسیات سیرت کے مطالعہ سے تقویت ملتی تو مستشرقین کیوں ایمان لائے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے- اس کا مطلب یہ ہے کہ محض مطالعہ، محض حضور نبی کریم (ﷺ) کی سیاسی عظمت کا اعتراف و ادراک کافی نہیں جب تک کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی عظمتوں کا ادراک نصیب نہ ہو جائے''-

اٹک 23-01-2019

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ ''اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین'' جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

''اصلاحی جماعت دنیا کے تمام انسانوں کو زندگی کے اصل مقصد سے روشناس کروا رہی ہے- تمام مخلوقات سے افضل و اشرف انسان ہے اور تمام انسانوں سے افضل حضور نبی کریم (ﷺ) کی ذات مبارکہ ہے- مگر افسوس! کہ انسان اس بات کو بھول بیٹھا ہے کہ اس کو شرف و فضیلت کا تاج کیونکر عطا ہوا ہے؟ اولیاء کرام نے اس راز کو پایا اور عوام الناس کو اس راز سے آگاہ کیا کہ انسان کی زندگی کے دو پہلو ہیں- ایک ظاہری اور دوسرا باطنی- ظاہری وجود حقیقی انسان (روح) کا لباس ہے- روح نوری انسان ہے- روح کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ہے اور آقا کریم (ﷺ) کے ساتھ بھی-

خزینہ نبوی چھپایا مجھ کو مشتِ خاک صحرا نے کسی کو کیا خبر میں کہاں ہوں؟ کس کی دولت ہوں

حقیقی انسان (روح) کی پہچان خود شناسی ہے اور یہی خود شناسی خدا شناسی کا زینہ ہے - بقول اقبال:

ڈھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ　　　اس بندے کی دہقانی پر سلطانی قربان[2]

چکوال	24-01-2019	مکہ میرج ہال

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

"میلادِ مصطفےٰ (ﷺ) کا بنیادی مقصد انسان کو اس کی حقیقت سے روشناس کروانا ہے کہ انسان کی تکمیل فقط ظاہر پر اکتفا کرنے سے نہیں بلکہ ظاہر اور باطن دونوں کو مرتبہ کمال تک پہنچانے میں ہے- انسان کے ظاہر کو سنوارنے کے لئے شریعت پر عمل پیرا ہونا ہے اور باطن کی تکمیل کے لئے قلبی ذکر یعنی ذکر الٰہی سے کرنا جب تک انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اپنے باطن کا تزکیہ نہیں کر لیتا اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا- اسی مقصد کے لئے جانشین سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد علی مدظلہ الاقدس سرپرست اعلیٰ اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین ملک کے کونے کو کونے فیض یاب کرنے کے لئے اسم اللہ ذات کو فی سبیل اللہ ہر انسان تک پہنچا رہے ہیں"-

جہلم	25-01-2019	جعفری اسٹیڈیم

صدارت: عکس سلطان الفقرؒ حضرت حاجی سلطان محمد بہادر عزیز صاحب مدظلہ الاقدس

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

"اولیاء کرام انسان کی توجہ اس راستے کی جانب مبذول کرواتے ہیں جس میں دنیا و عقبیٰ سے ماورا ہو کر فقط رضا الٰہی کو اختیار کیا جائے کیونکہ اہل اللہ فرماتے ہیں:

[2](ضرب کلیم)

"طالب دنیا مخنث ہے طالب عقبیٰ مؤنث ہے اور طالب مولیٰ مذکر ہے- دورِ حاضر میں زوال سے نکلنے کا واحد راستہ قرآن و سنت پر عمل ہے- جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

هُدًى لِّلنَّاسِ "(قرآن) پوری انسانیت کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے"-

ہاکی اسٹیڈیم	26-01-2019	سیالکوٹ

صدارت: عکس سلطان الفقرؒ حضرت حاجی سلطان محمد بہادر عزیز صاحب مدظلہ الاقدس

خطاب: الحاج محمد نواز القادری

"تعلیماتِ اولیاء کیا ہے؟ قرآن و حدیث کی وہ تعلیمات جو انسان کو بیدار کر دیتی ہیں- مگر افسوس! کہ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اپنے آپ سے بے خبر ہے- اس لئے اولیاء کرام کی تعلیمات کا مرکزی کردار انسان کی راہنمائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ قرآن پاک حکم فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو عظمت والا بنایا ہے- اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی قسمیں کھا کر اس کی عظمت کو بیان کیا ہے لیکن آج ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا- ہم نے انگریز کو تو فالو کیا مگر اپنے آپ کو جاننے کی کوشش نہیں کی- اس لئے ہمارے مرشد کریم نے ہمیں یہ فرمایا کہ قرآن کریم کو اپنے اوپر وارد کرو تاکہ اس کے ذریعے تم اپنے آپ کو پہچان سکو- قرآن ہمیں تفرقوں سے نکال کر ایک کر دیتا ہے اور ہمیں ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کرتا ہے، انسانوں کو جگاتا ہے اور صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے- قرآن خدا اور انسان کے درمیان گفتگو کا ذریعہ ہے- ہمیں اس سے اپنا ناطہ کمزور نہیں کرنا چاہیے ورنہ ہم اپنی اصلاح نہیں کر سکتے- اپنے اسلاف کی طرح قرآن پر پابند ہو کر انسان کو بیدار کرنا ہے اور سب فرقوں سے نکال کر ایک راستہ جسے صراطِ مستقیم کہتے ہیں اس پر چلنا ہے- آج انسان سو رہا ہے اس کو بیدار کرنے کے لئے اولیاء اللہ کی تعلیمات پر عمل کرنا ہو گا- اپنے دل کو زندہ کر کے اپنی انسانیت کو اجاگر کرنا ہو گا، اپنی ساری عبادات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہو گا- یہ تب ممکن ہے جب ہم قرآن و حدیث کو اپنانے کی فکر اپنے اندر پیدا کریں گے- دوستو! اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان جیسا کوئی شاہکار نہیں جس کو یہ مقام حاصل ہے کہ انسان خدا تک رسائی پا سکتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ انسان تو خدا کی جلوہ گاہ ہے- آج اس امر کی ضرورت ہے اس خانۂ دل کو سنوار کر نورِ ایمان کو پیدا کیا جائے"-

منی اسٹیڈیم	27-01-2019	گوجرانوالہ

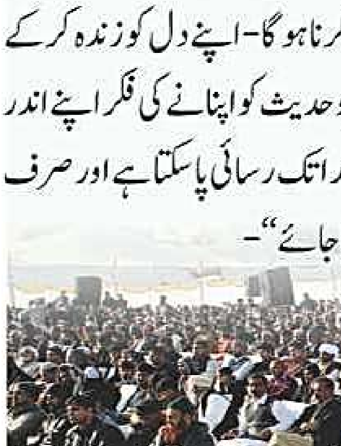

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

"گفتگو کا بنیادی موضوع سیرت نبوی (ﷺ) کی روشنی میں اپنے اخلاق کی تشریح تھی جس میں متعدد آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ سے استدلال کیا گیا کہ دین کا بنیادی مقصد انسان کی اخلاقی و روحانی تربیت کرنا ہے- جس کی مثال ہمیں صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے ملتی ہے کہ آقا کریم (ﷺ) نے ان کی ایک ایک ادا کی تربیت فرمائی- یعنی بچے کی ولادت سے لے کر قبر تک کے جانے کا نصاب دین نے مرتب کر دیا اور ہر ہر

حرکت میں اس کے آداب مقرر ہیں- والد، والدہ، بیٹے اور بیٹی کے سامنے کیسے اٹھنا اور بیٹھنا ہے، مسجد میں داخل اور نکلتے وقت جوتے کیسے اتارے اور پہننے ہیں، بال سنوارنے کے کیا آداب ہیں، لباس پہنے اور دھونے کے کیا آداب ہیں، کھانے اور پینے کے کیا آداب ہیں، مریض اور معذور کے لئے کیا آداب ہیں اور اسی طرح دین نے ہر چیز کی اتنی باریکی و گہرائی سے انسانی نفسیات کے اوپر ایک اثر پیدا کیا کہ انسان واقعتاً آداب میں ڈھل جائے- جو لوگ اس میں ڈھل جاتے ہیں تو لوگوں کو ان سے اس لئے محبت ہوتی ہے کہ ان کے کردار اور اخلاق سے حضور نبی کریم (ﷺ) کی اطاعت کی خوشبو آتی ہے- صوفیاء کرام کے طریق کو بھی آداب کا طریق کہا جاتا ہے- کئی صوفیاء کا فرمان ہے کہ تصوف مکمل طور پر آداب پر مشتمل ہے- اس لئے آداب پیدا کرنا بندے کو اخلاقِ نبوی (ﷺ) کے قریب کرتا ہے اور یہ مسلمان کی زندگی کی جستجو ہونی چاہیے کہ وہ آداب اور ان اخلاقیات کو سیکھے"۔

حافظ آباد	28-01-2019	میونسپل اسٹیڈیم

صدارت وخطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

"عصرِ حاضر میں جو بھونچال برپا ہے اس پر گفتگو کرتے ہوئے صاحبزادہ صاحب نے نہایت اختصار سے فرمایا کہ مسلمانوں کی اول و آخر کامیابی اس بات پر منحصر ہے کہ اپنا رشتہ و تعلق جس حد تک سرکار دو عالم (ﷺ) کی بارگاہ میں قائم کیا جا سکتا ہے، کیا جائے- کیونکہ اس میں صرف پاکستان کی نہیں بلکہ پوری اُمت مسلمہ کی بقاء مضمر ہے کہ ہمارا رشتہ عشق و محبت، ادب و تکریم کے ساتھ دربارِ مصطفےٰ (ﷺ) سے قائم ہے- ہمارے مستقبل کا، ہماری بقاء کا فیصلہ عشقِ مصطفےٰ (ﷺ) اور تعلقِ مصطفےٰ (ﷺ) سے قائم ہے- اس بات کے ثبوت پہ ایک دو محافل نہیں بلکہ ہزاروں نشستیں بھی درکار ہوں تو کم ہیں- تہذیبی و سیاسی اعتبار سے، فکری اور روحانی اعتبار سے ہمیں سیرت النبی (ﷺ) کے نام پر جو نصاب پہلی جماعت سے لے کر یونیورسٹی لیول تک پڑھایا جاتا ہے؛ اس سے مسلمانوں کو آقا دو عالم (ﷺ) کے خصائص، اخلاقِ عالیہ اور دیگر پہلوؤں کا بنیادی تعارف تو ضرور ہو جاتا ہے، لیکن افسوس! کہ یہ نصاب آقا کریم (ﷺ) سے محبت کی جامع اور مکمل تصویر فراہم نہیں کرتا"۔

شیخوپورہ	29-01-2019	مسین اسٹیڈیم

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مد ظلہ الاقدس)

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

"سیرت نبوی (ﷺ) کے اس پہلو پہ روشنی ڈالی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آقا کریم (ﷺ) کی ذات گرامی کو جامع کمالات و صفات فرمایا ہے اور آپ (ﷺ) کی ذات کو جس طرح فضائل، شمائل اور کمالات کی کثرت عطا کی ہے اسی طرح آپ (ﷺ) کو معجزات کی کثرت بھی عطا فرمائی ہے- آپ (ﷺ) کے معجزات میں سے ایک عظیم بات یہ ہے کہ کل دنیا کو حضور نبی کریم (ﷺ) کا تعارف ہے- تمام اشیاء و موجودات، نباتات و جمادات آپ (ﷺ) کی معرفت و پہچان رکھتی ہیں- متفق علیہ حدیث ہے کہ آقا کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل کو فرماتا ہے کہ اے جبرائیل! آسمانوں اور زمینوں میں منادی کردے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو- یہ بات تو حضور نبی کریم (ﷺ) کے اس امتی کی ہے کہ جو حضور (ﷺ) کا کلمہ پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے تو جس کا کلمہ پڑھا جا رہا ہے تو اس کی شان کا عالم کیا ہوگا؟- اس لئے کل کائنات کی اشیاء و موجودات، نباتات و جمادات آپ (ﷺ) کو کتنا جانتی ہیں اس کا شمار عقل کی محدودیت سے نہیں بلکہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی شان کی لامحدودیت سے کرنا چاہیے- آپ (ﷺ) کے معجزات مبارکہ کے حوالہ سے یہ چیز ذہن میں رکھنی چاہیے کہ معجزات عقیدت کا نہیں بلکہ عقیدہ کا حصہ ہیں- صاحبزادہ صاحب نے اس پر بڑی طویل گفتگو فرمائی بالخصوص اس پہ مختلف آئمہ کرام کے حوالے دیے گئے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ آپ (ﷺ) کی ذات اقدس کے معجزات مبارکہ کو ماننا اور ایمان لانا امت کے اہل نجات طبقہ کی نشانی ہے اور اس کا انکار امت کے گمراہ شدہ لوگوں کی نشانی ہے- امام ابو منصور البغدادی نے "الفرق بین الفرق" میں 15 صفات بیان کی ہیں جن سے فرقہ ناجیہ کی شناخت ہوتی ہے- مزید آپ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے اس قاعدہ کی مخالفت کی وہ گمراہ ہوئے- جمہور آئمہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کے معجزات برحق ہیں اور آپ (ﷺ) کے معجزات کا شمار ممکن نہیں ہے- شمس الدین، أبو العون محمد بن أحمد بن سالم السفارینی الحنبلی (المتوفی: 1188ھ) "لَوَامِعُ الْأَنْوَارِ الْبَهِيَّةِ" میں فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کے معجزات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں ہے- بعض کا فرمان ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ آپ (ﷺ) کو 3000 معجزات عطا ہوئے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید میں 60 یا 70 ہزار معجزات ہیں- اصول میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کے معجزات کی چھ اقسام ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1- بعض وہ ہیں جو حضور نبی کریم (ﷺ) سے پہلے گزشتہ نبیوں اور امتوں نے دیکھے-

2- بعض وہ ہیں جو ولادت پاک سے پہلے والدہ ماجدہ اور عرب بلکہ دنیا نے دیکھے-

3- بعض وہ ہیں جو ولادت پاک کے وقت دیکھے گئے-

4- بعض وہ ہیں جو بچپن شریف میں دیکھے گئے-

5- بعض وہ ہیں جو ظہور نبوت کے بعد سے وفات پاک تک دیکھے گئے-

6- بعض وہ ہیں جو بعد وفات سے قیامت تک دیکھے جائیں گے-

اس کے بعد بالخصوص وہ معجزات بیان کیے گئے جن کا تعلق نباتات اور جمادات کے تعلق اور تعارف اور معرفتِ مصطفےٰ (ﷺ) کے اوپر تھا"-

لاہور	30-01-2019	منہاج کرکٹ گراؤنڈ

صدارت: سرپرستِ اعلیٰ "اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین" جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس)

خطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

"اگر اگلے اور پچھلے مل کر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مناقب اور فضائل میں مبالغہ کرنا چاہیں تو آپ (ﷺ) کے فضائل اور کمالات کے ضبط سے عاجز اور محتاج ہوں گے اور نہیں کر سکیں گے- اس لئے کہ میرے اللہ نے اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کو درجات اور کمالات ہی اتنے عطا کر دیئے ہیں کہ اُن عطاؤں کی کوئی حد، شمار اور گنت نہیں ہے- آج سرکارِ دو عالم (ﷺ) کی ذاتِ اقدس کا مطالعہ شرق تا غرب صرف ایک جہتِ سیاسی تک محدود کیا جا رہا ہے- یاد رکھیں! ذاتِ مُصطفےٰ (ﷺ) کے ادب و تعظیم کے تقاضے اُس وقت تک پورے نہیں ہوتے جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی عظمت کا کامل ادراک مؤمن کو نصیب نہ ہو- اگر آپ (ﷺ) کا ادب و تعظیم دل کے اندر پیدا ہی نہ ہو تو لاکھ ٹکریں مار لی جائیں انسان کو دین نصیب نہیں ہو سکتا"-

صاحبزادہ صاحب نے کشمیر کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کشمیر نہ صرف پاکستان کا بلکہ جنوبی ایشیاء کا بہت بڑا مسئلہ ہے کیونکہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے جس کے بغیر پاکستان نامکمل ہے- اس مسئلہ سے پورا خطہ عدم استحکام کا شکار ہے- ہماری موجودہ حکومت سے درخواست ہے کہ قائداعظم اور لیاقت علی خان کے اصولی مؤقف کے مطابق کشمیر کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی جائے"-

قصور	01-02-2019	ڈگری کالج گراؤنڈ

صدارت وخطاب: مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

"آج الحمد اللہ! پاکستان 70 برس سے گزر رہا ہے جس میں مشکلات بھی آئیں، پریشانیاں اور جنگیں بھی آئیں، کئی عروج و زوال کی داستانوں نے بھی جنم لیا- لیکن آج جس طرح پاکستان مستحکم و مضبوطی سے قائم ہے یہ ہماری آزادی کی ضمانت ہے- ہمیں اولاً اور آخراً اس مملکت عظیم کے ساتھ اپنے عہد وفا کو نبھانا ہے جو ہمارے اباؤ اجداد نے اس کے سبز ہلالی پرچم سے کیا تھا جس پرچم کا رنگ گنبد خضریٰ کے سبز رنگ سے مستعار لیا گیا ہے- مسلمان کے ایمان پہ لازم ہے کہ وہ سرکارِ دو عالم (ﷺ) کی ناموس کی پہرے داری کرے- کیونکہ قرآن نے انسان کو حضور نبی کریم (ﷺ) کا ادب سکھایا ہے کہ:

"یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ

"اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبیٔ مکرم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ہی

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ[3]

(ایمان سمیت) غارت ہو جائیں اور تمہیں (ایمان اور اعمال کے برباد ہو جانے کا) شعور تک بھی نہ ہو"۔

یعنی ادب و تعظیمِ مصطفےٰ (ﷺ) یہ ایمان کا جزوی رکن ہے کیونکہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو اگر سرکارِ دو عالم (ﷺ) پکارتے تو وہ اپنی نمازیں چھوڑ کر حضور نبی کریم (ﷺ) کی بارگاہ میں حاضر ہو جایا کرتے تھے- اس لئے ہمیں اپنی ظاہری اور باطنی اصلاح پہ توجہ کرنی چاہیے کیونکہ جب تک وہ تربیت و اصلاح نہیں ملتی تب تک انسان کے اندر کی دنیا پاک نہیں ہوتی اور ایمان پوری طرح سے داخل نہیں ہوتا"۔

سرگودھا | 01-02-2019 | مرکزی عیدگاہ

صدارت و خطاب:

مرکزی جنرل سیکرٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

"اللہ تعالیٰ تکبر کرنے اور زمین پر اکڑ کر چلنے والوں کو پسند نہیں کرتا بلکہ انسان کی عاجزی و انکساری اس کو پسند ہے- تمام عبادات کا مقصد انسان کی روحانی پاکیزگی ہے وہ عبادت جس کے اثرات ہمارے باطن پر نہ ہوں تو ہم اس کے مقصود تک نہیں پہنچ سکتے- صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اور صالحین کی حیات مبارکہ سے اپنے باطن یعنی روح کی اصلاح کا درس ملتا ہے- صاحبزادہ صاحب نے مزید نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج تلوار اور نیزے کی جنگ نہیں بلکہ آج ہمیں ففتھ جنریشن وار کا سامنا ہے- یہ جنگ میڈیا پر لڑی جا رہی ہے؛ ہمیں اس جنگ کا مقابلہ کرنا ہے- دنیا کی مختلف جنگوں میں

[3](الحجرات:2)

اقوام اور ممالک کو صفحہِ ہستی سے مٹا دیا گیا لیکن دشمن پاکستان کے ساتھ روزِ اول کے ساتھ جنگ لڑ رہا ہے- لیکن نہ پاکستان ناکام ہوا اور نہ افواج پاکستان- یاد رکھیں! کہ یہ حفاظت گنبد خضری کا فیضان ہے اور اولیائے عظام کی بشارتیں ہیں- پاکستان کا عربی ترجمہ براہِ راست مدینہ طیبہ ہے- ’’پاک‘‘ طیب کو کہتے ہیں ’’ستان‘‘ بستی کو کہتے ہیں- اس طرح براہِ راست پاکستان کا ترجمہ مدینہ طیبہ ہے یعنی پاکستان مدینہ ثانی ہے‘‘-

منڈی بہاؤالدین	02-02-2019	حیدر پیلس اینڈ میرج ہال

صدارت و خطاب:

مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

’’دربار سلطان باھو سے چلائی گئی اصلاحی جماعت اصلاح و تربیت اور محبت کے اس پیغام کو عام کر رہی ہے جس کے ذریعے انسان کے وجود میں اصلاح اور رحمت بھی پیدا ہوتی ہے اور امن بھی پیدا ہوتا ہے- صاحبزادہ صاحب نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کو کل عالمین کے لئے رحمت بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے دائرۂ قدرت کے متعلق بھی یہی ارشاد فرمایا ہے کہ میں رب العالمین ہوں- یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا مالک ہے اسی طرح حضور نبی کریم (ﷺ) کی رحمت بھی تمام جہانوں کے لئے ہے- اسی لئے نظم کائنات جس رحمت کی چھاؤں میں محفوظ ہے وہ رحمت کی چھاؤں حضور نبی کریم (ﷺ) کی ذات اقدس ہے- جس طرح قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے کا ادب سکھایا ہے اسی طرح اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کی بارگاہ کا ادب سکھایا ہے کہ:

’’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ‘‘[4] ’’اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبیِ مکرم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو

قرآن ہمارے لئے باعث نجات ہے اس لئے وہ ہمیں راہنمائی عطا کرتا ہے کہ بارگاہِ نبوت کی بے ادبی اعمال کے ضائع ہو جانے کا سبب بن کر باعثِ ہلاکت ہے-

چنیوٹ	03-02-2019	ہاکی اسٹیڈیم

صدارت و خطاب:

مرکزی جنرل سیکریٹری اصلاحی جماعت، صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب

’’دنیائے جدید کو خاص تناظر اور خاص نقطہ نظر میں بنا سنوار کر ہمارے سامنے پیش کیا گیا- دنیائے جدید کا آغاز سترھویں صدی میں یورپی نشاطِ ثانیہ کے بعد ہوتا ہے جو دنیائے جدید کے افکار، نظریات، رہن سہن، فیشن، دستور کو بلا چون و چرا ان کے قبول کرتا ہے اُسے مہذب اور قابلِ عزت سمجھا جاتا ہے جو دنیائے جدید سے قبل کے رسم و رواج، تہذیب و تمدن اور عقیدے پر یقین رکھتا ہے اسے غیر مہذب اور بنیاد پرست

---

[4] (الحجرات:2)

سمجھا جاتا ہے- آج ہم پر مغربی تہذیب اور ہندی تہذیب یلغار کیے ہوئے ہیں- آج ہم نے مغربی تہذیب اور ہندی تہذیب کے خلاف جہاد کرنا ہے اور اسلامی تہذیب وتمدن کا دفاع کرنا ہے جو ہمارے بزرگوں نے 1400 سال کی حفاظت کر کے ہم تک پہنچایا ہے-

آج ہم پر 5th جنریشن وار مسلط کی جا چکی ہے جس میں ہتھیار موبائل سکرین، فیس بک، واٹس ایپ، انسٹا گرام، یوٹیوب، ٹی وی چینلز، لفافہ جرنلزم، ضمیر فروشوں کی فورس، Misinformation، ضمیر فروش نام نہاد دانشور، فحاشی و عریانی، نوجوانوں کے ذہنوں کو اس برائی اور غفلت کی طرف لے کر جانا ہے تاکہ یہ اپنی بنیاد، اساس اور عقیدے سے دستبردار ہو جائے- ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے دین کی حقانیت پہ یقین رکھیں اور اسلامی تہذیب وتمدن اور بود و باش کو اپنائیں- قرآن و سنت نے جو آنکھوں میں حیاء پیدا کرنے، زبان میں نرمی پیدا کرنے، چال میں عاجزی پیدا کرنے، لباس میں شرم و حیا پیدا کرنے، بولنے میں اخلاق و آداب پیدا کرنے کا جو ہمیں راستہ سکھایا ہے؛ یہ دور ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے ہم اس دین کے نگہبان سپاہی اور مجاہد بن کے اس کی تہذیب کے تحفظ کے لیے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں"-

(جاری ہے)

استقبال کے دلکش مناظر

تصنیفِ لطیف از: سلطان الفقر (پنجم) سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ

امیر الکونین

قسط: 54

مترجم: سید امیر خان نیازی

جو شخص قربِ اللہ حضور سے جواب باثواب پا سکے اور تحقیق باتوفیق سے خود کو مجلس محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں پہنچا سکے اُسے کیا ضرورت ہے کہ وہ دعوتِ اسم بدوح پڑھتا پھرے؟ جو شخص اِس قسم کی تقویتِ توجہ سے خود کو حضوری میں پہنچا سکے اُسے کیا ضرورت ہے کہ وہ عاملوں کی طرح خط کھینچے یا دائرہ و مثلث کے تعویذات لکھے یا اسم بدوح سے بیس بیس خانوں والے نقش پُر کرے کہ یہ سب کام تو وہ بے قرب و بے حضور لوگ کرتے ہیں جو معرفت اللہ توحید سے دُور ہوتے ہیں۔

بیت: ”وِرد وظائف کو چھوڑ اور استغراقِ وحدت طلب کر کہ اُس سے تُو قربِ حق کا عارف بن جائے گا“۔

بیس مشقِ تصور دماغ سر میں اور چار مشقِ تصور مخالفت و محاسبۂ نفس کے لئے مقام ناف پر کی جائیں اور ہر مقام پر تصور سے ”اسمِ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اسمِ لِلّٰہِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اسمِ لَہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اسمِ ھُوْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اسمِ مُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، اسمِ فقر، اسمِ اعظم اور تیس حروفِ تہجی لکھ کر اُن کی حاضرات کا مشاہدہ کرے۔ جو آدمی سب سے پہلے حاضرات کرے اور علمِ حاضرات کو عمل میں لانا جان لے اُس کا علمِ دعوت کا عمل قیامت تک نہیں رکتا۔

ابیات: (1) ”جس کا دم رواں، دل زندہ اور روح دعوت پڑھنے والی ہو وہ اِس لائق ہے کہ وہ دعوت پڑھے کہ وہ صاحبِ نظر عارف ہے“۔

(2) ”مردِ مرشد بے نیاز گنج بخشتا ہے اور نامرد مرشد مال و زر کے تذکرے کرتا ہے“۔

ایسا اہلِ دعوت تصورِ اسم اللہ ذات کی دعوت کی برکت سے جثۂ محنت سے نکل کر جثۂ محبت کے قلبی لطیفہ میں آ جاتا ہے جہاں اُس کا کھانا مجاہدہ اور اُس کا سونا باطن میں مجلسِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی حضوری کا مشاہدہ و مبارک بادی ہوتا ہے۔ اُس کی مستی میں ہوشیاری اور خواب میں بیداری ہوتی ہے اور وہ غرق فنا فی اللہ حضوری میں جواب باصواب پا کر باشعور رہتا ہے۔ یہ ہیں مراتب صاحبِ باطن معمور کے۔ اہلِ دعوت جب دعوتِ کل کے اِن مراتب پر پہنچتا ہے تو مؤکلات اور انبیاء و اولیاء اللہ غوث و قطب و اوتاد و ابدال کی ارواح کے ہزاران ہزار بلکہ بے شمار لشکر اُسے باعیاں نظر آتے ہیں، کسی کو وہ جانتا ہے اور کسی کو نہیں جانتا۔ فرمانِ حق تعالیٰ ہے: ”کوئی جان نہیں جس پر ایک نگہبان نہ ہو“۔ اُسی کے بارے میں خطاب ہے: ”کسی کی یہ مجال نہیں کہ اُس سے بات کرے“۔ اِس مقام پر تجلیات کا انکشاف ہوتا ہے اور اُس کے ہر عضو کے رگ و گوشت و مغز و ہڈیاں اور بالوں سے ہزاران ہزار بلکہ بے شمار تجلیات کے انوار کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ ہمہ اوست در مغز و پوست (ہر چیز کے ظاہر و باطن میں اُسی ایک ذات کی جلوہ نمائی) کا مرتبہ ہے چنانچہ اُس کے وجود سے تجلیٔ غیبی، تجلیٔ قلبی، تجلیٔ رُوحی اور تجلیٔ سِرّی کا ظہور ہوتا ہے اور تصورِ اسم اللہ ذات کی تاثیر سے جب اُس کے وجود میں نورِ ایمان کی غیر مخلوق تجلی کا یہ سورج طلوع ہوتا ہے تو ظاہر باطن میں تمام حواسِ خمسہ سے نفس و شیطان و دنیا کی جملہ ظلماتِ ناشائستہ کی غلاظت کلی طور پر نکل جاتی ہے اور تمام اوصافِ ذمیمہ و اوصافِ زوال ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ ہیں مراتب معرفت اللہ وصال کے۔ یہاں پر پہنچ کر وہ دائم لباسِ شریعت پہنتا ہے، شریعت کی پاسداری کرتا ہے اور باطن میں دریائے معرفت پیتا ہے۔

(جاری ہے)

ABYAT-E-BAHOO

ابیاتِ باھو

رات اندھیری کالی دے وچ عشق چراغ جلاندا ھو
جیندی سِک توں دل چانیوے توڑیں نہیں آواز سناندا ھو
اوجھڑ جھل تے مارو بیلے اِتھے دم دم خوف شِہاندا ھو
تھل جھل جنگل گئے جھگیندے باھو کامل نینہہ جنہاندا ھو

In the darkness of night, ishq kindles light Hoo
In whose love your heart breaks there is no sounds signs or sight Hoo
Receded river turned into jungle all the while remains the fear of lions might Hoo
They will cross jungle, deserts and river Bahoo those who have ishq perfectly upright Hoo

Raat andheri kaali de wich ishq chiragh jalaanda Hoo
Jaindi sik to'N dil cha niway to'Ray nahi awaz sunaanda Hoo
Ojha'R jhal tay maro baylay ethay dam dam khauf shihaa'N da Hoo
Thal jhal jangal gaye jhagainday Bahoo kamil neenh jinhaanda Hoo

Translated by; M. A. Khan

تشریح:

واصلاں را بس بود نام خدا　　　روز و شب بعشقِ وحدتِ کبریا[1]

’’واصلانِ حق کے لئے اللہ کا نام ہی کافی ہے کہ وہ اُنہیں ہر وقت وحدتِ کبریا کے عشق میں غرق رکھتا ہے‘‘-

یہ دنیا اندھیری رات ہے نفسانیت، شیطانیت، کفر، نفاق اور دیگر مادی قوتیں دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں، بظاہر سالک کا اس میں رہتے ہوئے اس سے متاثر ہوئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنے لیے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عشق کا چراغ جلا کر اپنے دل کو روشن کرلے-

2: عاشق چونکہ اپنے معبودِ حقیقی کے وصال کے علاوہ کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا اور اسی کی طلب و جستجو میں اس کے شب و روز بسر ہوتے ہیں اور اس سفر میں محبوبِ حقیقی کا عشق ہی اس کا متاعِ کل ہوتا ہے- کیونکہ عشق ایک ایسا جذبہ و کیفیت ہے جس کو صرف محسوس کیا جاسکتا ہے دیکھا یا سنا نہیں جاسکتا اور ایسی صورتِ حال میں محب اپنے محبوب سے زبانی کلام سے ماوریٰ ہوتا ہے، جیسا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

بی سری بینم خدا را بی زبانم ہم سخن　　　معرفت توحید اینست ہم راز ہم آوازِ کُن[2]

’’مَیں بے سر ہو کر خدا کو دیکھتا ہوں اور بے زبان ہو کر اُس سے ہم کلام ہوتا ہوں، یہی معرفتِ توحید ہے کہ بندہ اُس کا ہم راز و ہم آواز بن جائے‘‘-

ایک اور مقام پہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

’’علم باطن کا عالم اُسے کہتے ہیں جو بے سر و بے زبان و بے چشم و بے دست و بے کان و بے قدم و بے دل ہو کیونکہ شاگردِ ازلی اُستادِ باطن سے فیض و فضل اور علم معرفتِ توحید یعنی اسم اللہ ذات کا سبق بے زبان پڑھتا ہے، بے کان سنتا ہے، بے آنکھ دیکھتا ہے، بے قدم چلتا ہے اور بے دست پکڑتا ہے- اِس قسم کا زندہ دل عارف دنیا و آخرت دونوں جہان میں زندہ رہتا ہے اور ہر گز نہیں مرتا- ایسے عارفوں کا جسم نور ہوتا ہے‘‘-[3]

3: جس طرح ایک تنگ و تاریک رات میں سفر کرنے والے مسافر کو مختلف جانوروں کا خوف ہر دم کھائے رہتا ہے، ایسے ہی طالب کو مختلف قسم کے امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے، انہی آزمائشوں اور رکاوٹوں کو بیان کر کے ان کا حل بیان کرتے ہوئے آپ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

’’دنیا کی جڑ جہالت ہے، غیریت و شرک و کفر ہے کہ دنیا کافروں کا ورثہ ہے، اُن کا فخر ہے اور اُن کی عزت ہے- اَلغرض! دنیا، شیطان اور نفس اَمّارہ تینوں مردود ہیں اور اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کے لئے اِن تینوں نے پورے اخلاص کے ساتھ آپس میں اِتحاد کر رکھا ہے- دنیا اپنے نازک بدن کو زیب و زینت سے سجا کر اور خوب صورت چہرے کو حسن سے آراستہ کر کے لوگوں کے سامنے آتی ہے اور اکثر لوگوں کے دل موہ کر اُنہیں اپنا گرویدہ بنالیتی ہے- جو شخص دنیا کی قید میں آجاتا ہے اُس کے وجود میں خطراتِ شیطانی، وسوسہ و وہماتِ نفسانی اور حرص و حسد و طمع و کبر و ہوا جڑ پکڑ لیتے ہیں اور وہ اَنا پرستی کا شکار ہو کر راہِ راستی سے ہٹ جاتا ہے اور ہمیشہ اِس بات کے لئے علمی حیلے اور شیطانی حجت تلاش کرتا رہتا ہے کہ ہدایت کے لئے وسیلۂ مرشد کی کوئی ضرورت نہیں حالانکہ فرمانِ اِلٰہی ہے: ’’اے اِیمان والو! اللہ سے ڈرو اور اُس کی طرف وسیلہ تلاش کرو‘‘-[4]

4: اس آخری بند میں آپ (رحمۃ اللہ علیہ) طالبِ صادق کی حوصلہ افزائی فرمارہے ہیں کہ اگرچہ راہِ فقر مشکلات سے بھر پور ہے ایک طرف جہاں انسان کو نادیدہ مخالف قوتوں (نفس و شیطان) سے بر سرِ پیکار ہونا پڑتا ہے وہاں دیدہ مخالف قوتوں (دنیا اور اہلِ دنیا) سے بھی طالب کو پنجہ آزمائی کرنا پڑتی ہے اس کے باوجود اللہ پاک جن کو خلوص و للّٰہیت کی دولت عطا فرماتا ہے وہ ان مشکلات کو عبور کر لیتے ہیں بلکہ ان کو خاطر میں بھی نہیں لاتے- جیسا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ایک اور مقام پہ ارشاد فرماتے ہیں:

’’یاد رکھ! کہ ہدایتِ اِلٰہی کے بغیر علم اِنسان کو خود پسندی اور کبر و ہوا میں مبتلا کر دیتا ہے چنانچہ علم نے بلعم باعور اور ابلیس کو اللہ تعالیٰ کے قربِ حضوری سے محروم کر دیا لیکن ہدایتِ اِلٰہی، اخلاص و محبت اور حبِّ مولیٰ نے اصحابِ کہف اور اُن کے کتے کو بُعد و دوری سے نکال کر قربِ حضوری میں پہنچا دیا‘‘-[5]

---

[1] (عین الفقر)　[3] (ایضاً)　[5] (محک الفقر کلاں)

[2] (امیر الکونین)　[4] (کلید التوحید کلاں)

English Translation of
Hadrat Sultan Bahoo's
Persian Book

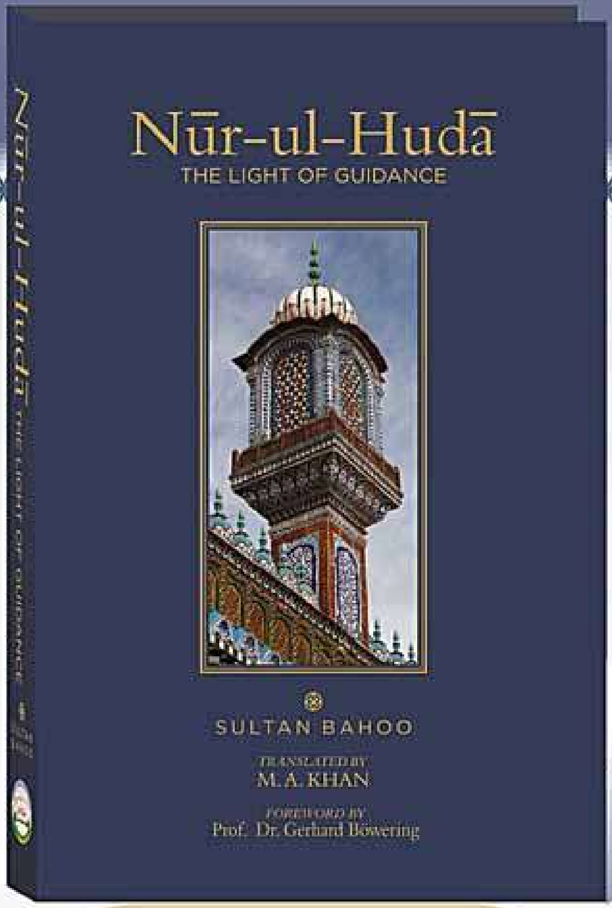

Published & Available

TRANSLATED BY
M. A. KHAN
Luton, UK

FOREWORD BY
Prof. Dr. Gerhard Böwering
Yale University, USA

A Meaningful Struggle

International Standard

یہ ترجمہ حضرت سلطان باھوؒ کے پیغام کو دُنیائے جدید میں پھیلانے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

- نورالھدیٰ کا انگلش ترجمہ لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے۔
- علم دوست لوگوں کے لئے خوبصورت تحفہ

العارفین پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور-پاکستان
اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں

ہیڈ آفس: دربارِ عالیہ حضرت سخی سلطان باھوؒ ضلع جھنگ (پنجاب) پاکستان
پی او بکس نمبر 11 جی پی او لاہور
ویب سائٹ: www.alfaqr.net
ای میل: alarifeenpublication@hotmail.com